مجلّہ سہ ماہی

رشد و ہدایت

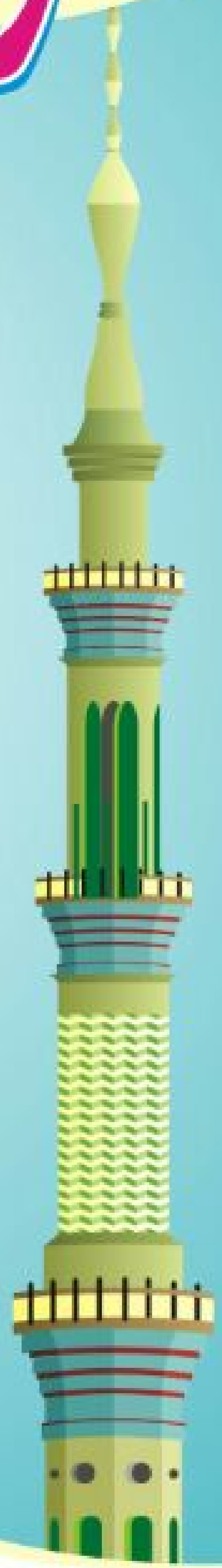

نومبر تا دسمبر ۲۰۱۶ء

1

مدیر تحریر

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

مدیر مسئول

مولانا عبدالعظیم قاسمی

مرکز اشاعت

مدرسہ تحفیظ القرآن

سکٹھی، مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ یوپی 276404

Email: zeyaulhaquekbd@gmail.com

۱۴۳۷ھ کے تمام شمارے

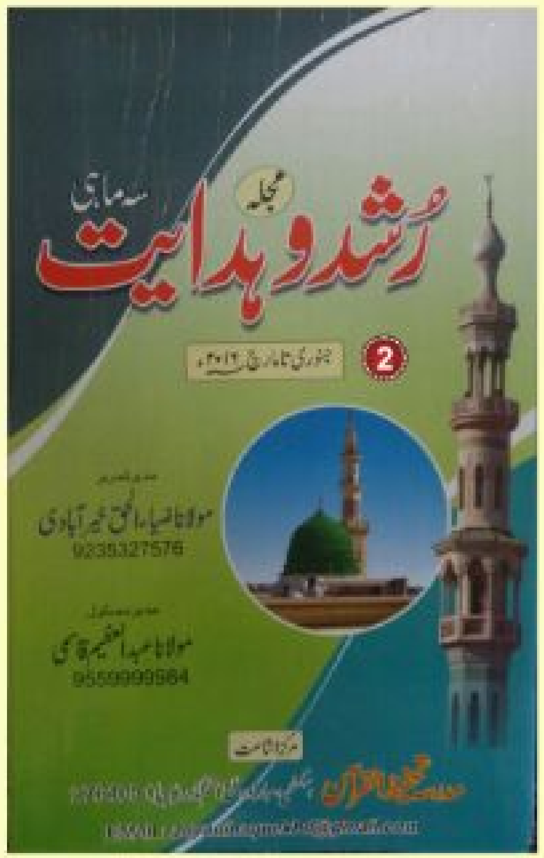

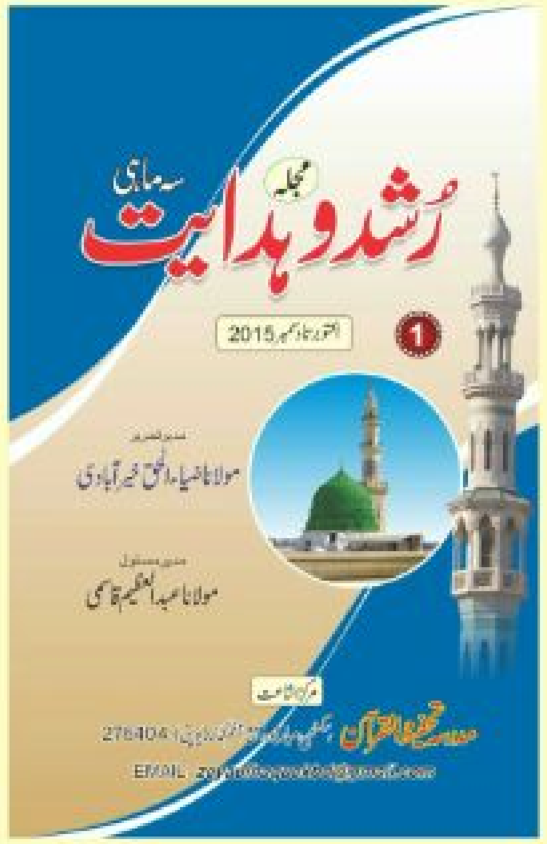

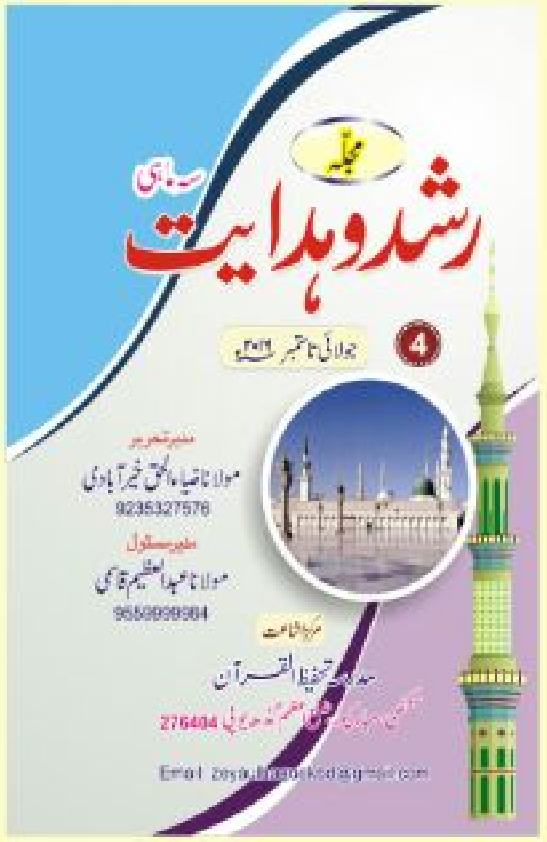

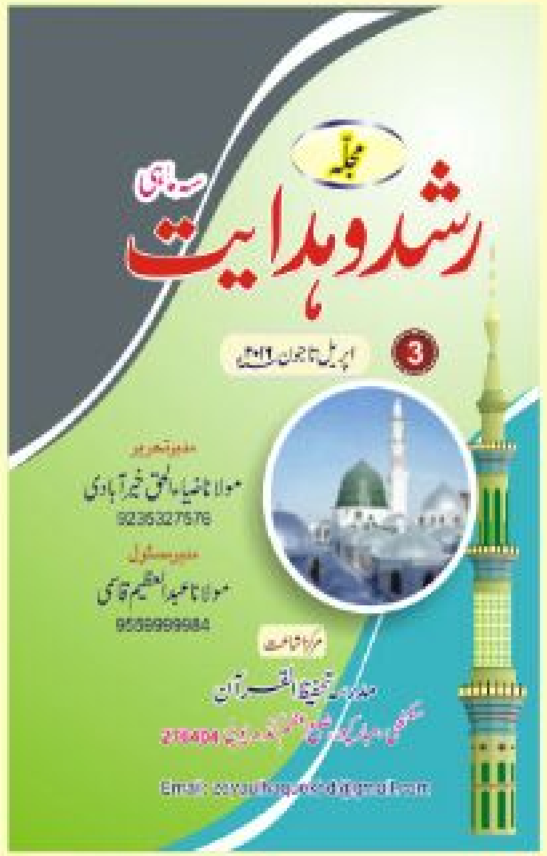

MADRASA TAHFIZUL-QURAN

Sikthi, Mubarakpur, Aazamgarh (U.P.) 276404

Email: zeyaulhaquekbd@gmail.com

مدرسہ تحفیظ القرآن سکٹھی مبارکپور کا دینی وعلمی واصلاحی ترجمان

سہ ماہی

مجلّہ رُشد وہدایت

جلد نمبر:۲ | محرم،صفر، ربیع الاول ۱۴۳۸ھ (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۶ء) | شمارہ نمبر:۱

زیر نگرانی: مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی، استاذ مدرسہ تحفیظ القرآن

مدیر تحریر
مولانا ضیاء الحق خیرآبادی
9235327576

مدیر مسئول
مولانا عبدالعظیم قاسمی
9559999984

مجلس ادارت
مولانا انواراحمد صاحب خیرآبادی اعظمی
ڈاکٹر محمد الیاس صاحب الاعظمی
مولانا ڈاکٹر محمد ارشد صاحب قاسمی لال گنج
مولانا عبداللہ خالد صاحب قاسمی خیرآبادی
مولانا ڈاکٹر محامد ہلال صاحب اعظمی
مولانا مفتی فیض احمد صاحب اعظمی کویت
مولانا عبدالباسط صاحب قاسمی سعودی عرب

مجلس مشاورت
جناب ابوالبیان سیٹھ صاحب (ممبئی)
جناب نسیم احمد خاں صاحب (سعودی عرب)
مولانا ابوطالب صاحب (بھیونڈی)
جناب شمیم احمد صاحب (امریکہ)
جناب محمد کاشف صاحب (ممبئی)
جناب ڈاکٹر محمد وامق صاحب (ممبئی)
جناب خورشید احمد صاحب (لکھنؤ)

مرکزِ اشاعت: **مدرسہ تحفیظ القرآن**

سکٹھی، شاہ محمد پور، پوسٹ مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ (یوپی) 276404

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

اپنی بات (ماہ ربیع الاول کا پیغام)	مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی	۳
آغاز سخن	مدیر تحریر	۵
تقویٰ تمام کامیابیوں کی کنجی	حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ	۱۱
غیبت	مولانا ضیاء الحق خیرآبادی	۱۳
من عادیٰ لی ولیا۔۔۔	حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ	۱۷
فراوانئ رزق کے روحانی اصول	مولانا محمد اللہ صاحب خلیلی قاسمی	۲۱
حضرت مولانا مفتی محمد ظہور صاحب ندویؒ	مولانا عبدالعظیم صاحب قاسمی	۲۷
اپنی نمازوں پر غور بھی کیجئے	حضرت پیر ذوالفقار صاحب نقشبندی	۳۵
بچوں کی تعلیم وتربیت	مولانا مفتی عاصم عبداللہ صاحب	۳۸
اسلام کا نظامِ تشخص	مولانا عبدالباسط صاحب قاسمی	۴۵
ایک المناک ودلدوز سانحہ	مولانا ضیاء الحق خیرآبادی	۴۷

زرِ تعاون

سالانہ: 100/= | فی شمارہ: 25/= | خصوصی: 1000/=

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افتتاحیہ

اپنی بات

ماہ ربیع الاول کا پیغام

مولانا ضیاء الدین قاسمی ندوی/استاذ مدرسہ ہذا

اس بزم کائنات میں تقریباً ایک ارب ساٹھ کروڑ فرزندان توحید کا وجود اور ۵۶/خالص اسلامی ممالک کا پایا جانا، دعوت وتبلیغ کے گردش کرتے ہزاروں کارواں، قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں بلند کرتے عربی مدارس ومعاہد کا وسیع ترین سلسلہ، تصنیف وتالیف میں منہمک مسلم اسکالرس، اصلاح وتربیت میں مشغول علماء ومدرسین، دینی واصلاحی اور دعوتی مجلّات ورسائل کی اشاعت وتقسیم، اسلامی موضوعات پر منعقد ہونے والے جلسوں، کانفرنسوں اور سیمیناروں کا تسلسل، حمد ونعت اور منقبت کی بزم آرائیاں اور شعرائے اسلام کی نغمہ سنجیاں، علمائے کرام اور خطبائے اسلام کی سحر آفرینیاں، مؤرخین اسلام کی تاریخ نویسیاں، سیرت النبی ﷺ کی محفلیں ومجلسیں اور سیرت نگاری کی سرگرمیاں: یہ سب کس کے صدقے میں جاری ہیں؟ اور ہر سو کس کے نام کا غلغلہ ہے؟ کس کے نام کا ہمہمہ ہے؟ اور وہ کون سی قدسی صفات ذات ہے؟ نسل انسانی کا وہ کون سا گل سرسبد اور سلسلہ نبوت ورسالت کا عقد فرید ہے؟ جس کے نام کی خوشبو ہمہ دم فضائے عالم کو معطر ومعنبر کئے رہتی ہے؟

تو سنئے وہ امی لقب، اعلیٰ نسب، رسول کامل، کتاب ہدایت کے حامل محمد عربی ﷺ کی عبقری ذات ہے، یہ تمام سرگرمیاں ''ورفعنا لک ذکرک'' کا حصہ ہیں۔

فرزندان توحید! مسلمانان عالم کو تاریخ انسانیت میں جو بھی عزت ملی، اسی نبی خاتم ﷺ سے نسبت وتعلق کے سبب ملی، مسلمانوں کو جس درجہ بھی عظمت ورفعت نصیب ہوئی، اسی رحمت عالم کی پیروی کی بدولت نصیب ہوئی، مسلمانان عالم خواہ تاریخ کے جس دور میں ہوں گے، جس ملک وخطہ میں

سکونت پذیر رہیں گے، وہ نبی امی ﷺ کے مشن رسالت اورتحریک اصلاح سے الگ ہوکر اگر زندہ رہنے، ترقی کرنے اورراحت وسکون پانے کا تصور کریں گےتوسوائے ذلت ورسوائی کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا، اور جب تک نام محمد ﷺ سے جڑے رہیں گے، اس ماہ نبوت کی روشنی میں سفر حیات طے کرتے رہیں گے، دنیا کی کوئی طاقت ان کے بڑھتے قدموں کوروک نہیں سکتی،مسلمانان عالم کا سب کچھ پانا، یاسب کچھ کھونا تحریک نبوت سے منسلک رہنےاورمنسلک نہ رہنے سے ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رب کائنات نے رسول کائنات کے ذکرکودوام عطا کیا ہے،''**ورفعنا لک ذکرک**'' کے ذریعہ دنیا کو یہ باور کرانا ہے کہ انسانیت کی نجات، اولاد آدم کی عزت وشرافت اور مسلمانوں کی عظمت وشوکت اسی ذکرکو بلندرکھنے،اسی رسول کے ماتحت زندہ رہنےاور ہرعمل میں اس کو اپنا اسوہ وقدوہ بنانے میں ہے۔''**لقد کان لکم في رسول اللّٰہ أسوۃ حسنۃ**''کا فرمان جاری کیا گیا ہے؛لہذا یہ کہنا کہ مسلمانوں کی بدحالی اور پسماندگی کا سبب عصری تعلیم سے دوری ہے، یا مسلمانوں کے انحطاط وزوال کی وجہ دشمنان اسلام کی سازشیں ہیں، یہ سب مادہ پرست، ایمان ویقین اور فکر آخرت سے عاری افراد کے چونچلے ہیں، آج مسلمانوں پر جوآفت آئی ہے،اورجن مشکلات ومسائل سے دوچار ہیں، ان کے اسباب پر اپنے ایمان وعقیدہ کی روشنی میں غورکریں اورعہود ماضیہ سے عصر حاضر کے حالات کا موازنہ کریں تو ذلت ورسوائی کا راز منکشف اورواضح ہوکرسامنے آجائے گا۔میلاد النبی کے مبارک مہینہ میں اپنے زوال وذلت کے اسباب جاننے کی خاص ضرورت ہے۔

ماہ ربیع الاول ہرسال آتا ہے،اوریہی پیغام نشرکرتا ہے کہ اسی ماہ ربیع الاول میں نبی امی محمد عربی ﷺ کی ولادت باسعادت سے تاریخ انسانیت کا نیاباب شروع ہوا تھا،اوردنیا نے اس امی لقب رسول کی انقلاب آفرینی کا جلوہ دیکھا تھا،ایساہمہ گیرانقلاب جس نے قعر مذلت میں پڑے لوگوں کواتنا اوپر اٹھادیا کہ وہ فخر انسانیت اورمعیارفضیلت بن گئے،صحرانشینوں کواتنااونچا کیا کہ تخت حکومت پرنظر آنے لگے۔آج مسلمانوں کو ماہ ربیع الاول کے استقبال میں جلسوں،جلوسوں،محفلوں،نعتوں،ترانوں اورنعروں سے بلند ہوکر،اس محمدی انقلاب سے اپنے ربط کو بحال کرنا ہے،ورنہ یہ ماہ مبارک تواپنا پیغام سنا کرگذرجائے گا،مگرہم جہاں ہیں اس سے چارقدم اور پیچھے چلے جائیں گے۔

☆☆☆☆☆

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آغاز سخن

از:۔مدیر تحریر

جس وقت ہمارا یہ شمارہ اور یہ مضمون قارئین کے ہاتھوں میں پہونچے گا اس وقت تک حجاج کرام حج جیسے عظیم الشان اسلامی رکن کے ارکان ومناسک سے فارغ ہوکر اپنے اپنے وطن لوٹ چکے ہوں گے، اور حرمین شریفین کے روح پرور مناظر اور ایمان افروز واقعات کا والہانہ انداز میں اپنے عزیز واقارب سے تذکرہ کررہے ہوں گے۔ اللہ نے حج کے تذکرے، اپنے پاک گھر اور اپنے پیارے رسول کے مقدس دیار کے ذکر میں ایسی لذت وحلاوت اور گرمیٔ قلب کا سامان رکھ دیا ہے کہ ہر مسلمان خواہ وہ کسی بھی حیثیت کا ہو حرمین شریفین کے قصے اور اس دیار پاک کی باتیں دل کے کان سے سنتا ہے اور ان لوگوں کو عقیدت ومحبت اور رشک کی نگاہ سے دیکھتا ہے، اور خود اس پاک دیار کی حاضری کی تمنا میں اپنے شب وروز بسر کرتا ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے اس پاک گھر کی حاضری کو ہر صاحب ایمان کے قلب کی آرزو اور دل کی تمنا بنا دیا ہے۔ چنانچہ ہر سال مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد حج وعمرہ کے لئے یہاں پہونچتی ہے۔

حج اپنے ارکان واعمال میں از اول تا آخر سراسر شوق وبے تابی اور عشق ووارفتگی کی داستان ہے۔ خود فراموشی وخود سپردگی، آہ وزاری اور بے تابی وبے قراری کے بغیر حج کا تصور ممکن نہیں، حج کا احرام باندھتے ہی دل کی دنیا میں ایک عجیب انقلاب آجاتا ہے، پورے وجود میں شوریدگی وسرمستی کی ایک کیفیت چھاجاتی ہے، ایک حاجی بالکل ایک عاشق صادق ومحب مخلص کی طرح ہوتا ہے جو اپنے محبوب رب کی یاد میں اس قدر غرق ہوتا ہے کہ اسے گرد وپیش اور خود اپنی ذات کا بھی ہوش نہیں رہتا۔ وہ اپنے محبوب کی یاد دل میں بسائے اس کے پاک گھر کی طرف رواں دواں ہوتا ہے، اس کا ظاہر بدل جاتا ہے، جس کا اثر اس کے باطن پر پڑنا لازمی ہے، اس کی زبان پر اب صرف اس کے محبوب کا ذکر ہوتا ہے، اب وہ ہر آواز سے یکسو ہوکر صرف **لبیک اللھم لبیک** کی صدا بلند کرتا ہے، اور ہر اس مقام

کی طرف جاتا ہے جہاں اس کے محبوب کا حکم ہوتا ہے، اور بہت ساری خواہشات سے رک کر صرف وہی کام کرتا ہے جس کا حکم اس کے محبوب نے دیا ہے، احرام کے بعد عقل وخرد کی حکمرانی ختم ہوجاتی ہے، اب وہ دل کی آواز کو سنتا ہے اور محبت کی آنکھ سے دیکھتا ہے، کبھی وہ صحن کعبہ میں چکر لگاتا ہے تو کبھی حجر اسود کا بوسہ دیتا ہے اور ملتزم سے چمٹا نظر آتا ہے، کبھی دو پہاڑیوں صفا ومروہ کے درمیان دوڑتا اور اپنے رب سے مناجات ودعا میں مشغول نظر آتا ہے، کبھی عرفات کے بے آب وگیاہ میدان میں ہوتا ہے، کبھی جمرات پر رمی کرتا ہے، تو کبھی منیٰ میں جانوروں کو اپنے رب کے حضور قربان کرتا ہے، ان سب افعال کی کوئی عقلی توجیہ نہیں کی جاسکتی ہے، بس محبوب کا حکم ہے اور محبین اس کو انجام دئے جارہے ہیں۔ اس لئے کہ اسی میں اس کی خوشنودی ورضامندی ہے، اور ایک محب صادق کو تو صرف اپنے محبوب کی خوشی اور رضامندی ہی مطلوب ہوتی ہے، اس کی اولیں ترجیح محبوب کے اشارہ پر بے چون وچرا عمل کرنا ہے، اور یہی تقاضائے محبت ہے، یہی اطاعت کی روح ہے۔ حقیقت میں ایک حاجی جو محض اللہ کے لئے اس کے پاک گھر کا قصد کرتا ہے وہ سراپا اطاعت وفرمانبرداری اور سنت ابراہیمی وسنت نبوی کا التزام کرنے والا ہوتا ہے۔

ہمارے اکابر واسلاف نے زیارت حرمین کے سلسلے میں دنیاوی مشاغل سے دور رہ کر کس قدر اہتمام سے حج کے مبارک ایام گزارے ہیں، اس سفر سعادت میں ان کی کیا کیفیت رہتی تھی، اس کے لئے محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمی علیہ الرحمہ کی کتاب ''اعیان الحجاج'' کا مطالعہ کرنا چاہئے، جس میں انھوں نے انبیاء کرام، سید الانبیاء ﷺ، ان کے جاں نثار صحابہؓ، محدثین عظام اور صالحین امت کے حج بیت اللہ کی روح پرور داستان اور ان نفوس قدسیہ کے والہانہ انداز کا ذکر فرمایا ہے، جس سے حج کی اہمیت، جوار بیت اللہ میں رہنے کا طریقہ اور آداب، دیار حبیب کی عظمت اور اس کے احترام وآداب کا پتہ چلتا ہے، اس سلسلہ کو حضرت محدث کبیر نے زمانہ حال کے بزرگوں تک وسیع کیا ہے، اور ان کے سفر شوق کا حال لکھا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ صرف زمانہ بعید ہی میں نہیں تھا بلکہ یہ اب بھی جاری وساری ہے، گو کہ اس میں بڑی کمی ہو چکی ہے، اب بھی کچھ اللہ والے باقی ہیں جن کے دم قدم سے یہ رونقیں اب بھی دیکھنے کو مل جاتی ہیں۔ گزشتہ سال سفر مدینہ میں ایک دوست نے بتایا یہ بزرگ مولانا اسماعیل بدات صاحب ہیں، جو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے خلیفہ ہیں، ان کا معمول ہے کہ روزانہ ایک قرآن ختم کرتے ہیں، استاذی حضرت مولانا اعجاز احمد صاحبؒ

نے اپنے سفر نامہ حج میں اس طرح کے کئی بزرگوں کا ذکر کیا ہے۔

احادیث میں حج کی جو تاثیر بیان کی گئی ہے کہ:

من قضیٰ نسکہ وسلم المسلمون من لسانہ ویدہ غفر لہ ماتقدم من ذنبہ۔ (تفسیر ابن کثیر بحوالہ عبد بن حمید) جس نے ارکان حج ادا کئے، اور مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہے، اس کے سب گناہ معاف ہیں۔

اس شان کا حج، حج مبرور کہلاتا ہے، یا یہ حدیث نبوی کہ:

من حج فلم یرفث ولم یفسق رجع من ذنوبہ کیومٍ ولدتہ امہ (بخاری ومسلم)

جس نے حج کیا، اور رفث اور فسق کا ارتکاب نہیں کیا، وہ اس طرح گناہوں سے پاک صاف ہوکر لوٹا، جیسے اس دن تھا، جس دن وہ ماں کے شکم سے پیدا ہوا تھا۔

ایک جگہ یہ ارشاد فرمایا: **الحج المبرور لیس لہ جزاء إلا الجنۃ، رواہ الطبرانی**

حج مبرور کا تو بدلہ جنت سے کم نہیں ہے۔ (الترغیب والترھیب، ج:۲، ص:۷۲)

حج مبرور کہلانے کا مستحق وہی حج ہے، جس کا اوپر ذکر ہوا۔ یہی وجہ ہے اب سے کچھ پہلے تک حاجیوں کا حال یہ ہوتا تھا کہ ان کی حج سے پہلے اور بعد کی زندگی میں نمایاں فرق ہوتا تھا، ہم نے خود دیکھا ہے کہ حج کے بعد ایسا انقلاب آیا کہ شکل وصورت ہی بدل گئی، چہرے پر شرعی داڑھی کا نور، سر پر ٹوپی، ہاتھ میں تسبیح، نماز کی پابندی، تلاوت کا اہتمام، اور حتی الامکان تہجد ونوافل کا بھی التزام! یہ حج مبرور کے اثرات وبرکات کا اثر ہوتا تھا، کہ زندگی کی کایا پلٹ جاتی تھی۔

دورِ حاضر کا حج اور حجاج کرام: حج وعمرہ ایک ایسی عبادت ہے جس کو ادا کرنے کے لئے انسان ہزاروں کا میل کا سفر کرکے ایسے دربار میں حاضر ہوتا ہے جہاں کی حاضری ایک مسلمان کے دل کی سب سے بڑی آرزو وتمنا ہوتی ہے، یہی وجہ تھی کہ آج سے کچھ عرصہ قبل تک جب حاجی حج کے لئے نکلتا تھا تو اپنے سارے کام اور سارے علائق کو چھوڑ دیتا تھا، اور یہ سفر محض عبادت کا، محض نیکی کا، محض اللہ کی رضا کیلئے ہوتا تھا، جس میں کسی طرح کی کوئی اور آمیزش نہیں ہوتی تھی۔ پھر حالات بدلے، دولت کی افراط اور پیسوں کی بہتات کی نتیجے میں حجاج کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہوا، لیکن اسی کے ساتھ اخلاص وللٰہیت میں نمایاں کمی اور جذبۂ نمود ونمائش میں روز افزوں اضافہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ اب تو حج سے پہلے شادی بیاہ کی رسموں کی طرح حج کی رسموں کا ایک طویل

سلسلہ ہوتا ہے، مختلف طرح کے پروگرام ہوتے ہیں، حج کی دعوت کے کارڈ چھپتے ہیں، کپڑوں اور جوڑوں کا لین دین اب حج کی رسومات میں شامل ہو چکا ہے، جس روز حج کے لئے نکلنا ہوتا ہے نہ پوچھئے کیا سماں ہوتا ہے، جیسے کوئی بارات جارہی ہو، حاجی صاحب پھولوں کا ہار پہنے قافلہ کے ساتھ چل رہے ہیں، نظم خوانی ہورہی ہے، ویڈیوگرافی ہورہی ہے، حاجی صاحب مسکرا کر ہاتھ اٹھا کر مبارکباد قبول کررہے ہیں، یہ سب فرضی وافسانوی واقعات نہیں ہیں بلکہ آنکھوں دیکھے حقائق ہیں۔

یہ تو یہاں کے احوال ہیں، مکہ مکرمہ پہونچنے کے بعد جو حالت مشاہدے میں آتی ہے انتہائی ناگفتہ بہ ہے، اس مقدس سرزمین کا ایک ایک لمحہ نہایت قیمتی ہے، وہاں کی ایک نماز اور جگہ کی ایک لاکھ نماز کے برابر ہے اور طواف تو ایسی عبادت ہے جو دنیا میں کہیں اور میسر آ ہی نہیں سکتی، چنانچہ قدردانوں کو دیکھا گیا کہ ہمہ وقت نماز وتلاوت، طواف وذکر اور دعا وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں، اور گزشتہ اعمال پر ندامت کے آنسو آنکھوں سے رواں رہتے ہیں، لیکن اسی جگہ حجاج کی ایک بڑی تعداد گھومنے پھرنے اور خرید وفروخت میں مشغول نظر آتی ہے، جس کے نتیجے میں حرم کی نماز تک فوت ہوجاتی ہے، اور آج کل جدید ترقیات نے ایک ایسی چیز سے دنیا کو روشناس کرایا ہے، جس نے سب کے دل ودماغ کو اپنے سحر میں گرفتار کررکھا ہے، وہ ہے سوشل میڈیا! جیسے فیس بک، وہاٹس اپ اور ٹوئٹر وغیرہ کا استعمال، جن لوگوں کو اس کی لت پڑ جاتی ہے وہ منشیات کی لت سے بھی زیادہ مضر ہوتی ہے، اٹھتے، بیٹھتے، سوتے جاگتے دھیان اسی کی طرف ہوتا ہے، آنکھ کھلتے ہی پہلا کام یہ ہوتا ہے موبائل اٹھا کر دیکھتے ہیں کہ کوئی میسیج تو نہیں ہے۔ حج جیسا سفر جو خالص اللہ کیلئے ہوتا ہے، جہاں انسان ہر طرف سے یکسو ہو کر دور دراز کا سفر طے کر کے پہونچتا ہے، وہاں بھی یہ چیز اس پر چھائی رہتی ہے، دراصل ریا ونمود کے جذبۂ فراواں نے انسان کو اس حد تک پہونچا دیا ہے کہ جب تک وہ نیک اعمال کی تشہیر نہ کرلے، دوسروں کو نہ بتالے تب تک اس جذبے کی تسکین نہیں ہوتی، چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ حرمین شریفین میں اس کثرت سے لوگ موبائل سے تصویریں لیتے ہیں اور ویڈیو بناتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے کہ کیا اسی کام کے لئے لوگ آئے ہیں، میرا تو دل کانپ جاتا تھا جب دیکھتا تھا کہ لوگ عین بیت اللہ کے سامنے حطیم کی دیوار سے ٹیک لگا کر ویڈیو بنا رہے ہیں، اور اسے شیئر کررہے ہیں، بیت اللہ کے سامنے تصویر کھنچوا کر اسے اپنی پروفائل کی جگہ لگا رہے ہیں، اور یہ رواج دن بدن بڑھتا جارہا ہے، لوگ حج وعمرہ کے ایک ایک منظر کو موبائل میں قید کر کے اسے فیس بک اور وہاٹس اپ پر بھیجتے رہتے ہیں، گویا صرف اللہ کو دکھانا کافی نہیں ہے، افسوس

کہ اس معاملے میں عوام کے شانہ بشانہ پڑھا لکھا دیندار طبقہ بھی ہے۔اس طرح کے مناظر بھی نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں، کہ لوگ تصویر بنوانے کیلئے کعبہ کے سامنے ہاتھ اٹھا کر کھڑے رہتے ہیں تا کہ تصویر میں کعبہ آجائے اور ایک مستند دلیل ہاتھ آجائے کہ ہم نے کعبہ کے سامنے دعا مانگی ہے،نماز پڑھی ہے وغیرہ۔ایک منظر کو دیکھ کر دل پر بہت اثر ہوا، اور اب بھی جب سوچتا ہوں تو دل متاثر ہوجاتا ہے، ایک روز مسجد نبوی میں درود وسلام کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے مواجہ شریف کی طرف چلا،بھیڑ کافی تھی، جب عین مواجہ شریف کے پاس پہونچا تو دیکھا کہ کئی لوگ نہایت انہماک کے ساتھ ویڈیوگرافی میں مشغول ہیں،یعنی عین اس ذات شریف (رسول اللہ ﷺ) کے سامنے،جس کی نہایت واضح تعلیمات اس کی حرمت کے متعلق بکثرت حدیث پاک کی کتابوں میں موجود ہیں۔اب اس کی اتنی کثرت ہوتی جارہی ہے کہ وہ دن دور نہیں جب اس کی قباحت بھی دلوں سے نکل جائے گی۔

ان سب چیزوں کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے یہ حج وعمرہ کا نہیں محض ایک تفریحی سفر ہے، ہم جس دور میں سانس لے رہے ہیں شاید یہ وہی دور ہے جس کے بارے میں عبداللہ بن عباسؓ نے کہا تھا کہ: بادشاہوں کا حج تفریح کے لئے ہوگا، مالداروں کا تجارت کے لئے،فقراء کا بھیک مانگنے کے لئے اور علماء وقراء کا ریا اور دکھاوے کے لئے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ریا ونمود سے بچائے اور احکام شرع کے مطابق اخلاص وللٰہیت کے ساتھ اسلام کے اس اہم رکن کو ادا کرنے کی توفیق بخشے،اور ہمارا حج ایسا ہو کہ جس کا بدلہ جنت ہی ہو۔آمین

☆☆☆☆☆

مودی سرکار کو اپنی ڈھائی سالہ مدت میں جس طرح ہر محاذ پر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے ،اسے چھپانے اور عوام کی توجہ ان مسائل سے ہٹانے اور آئندہ صوبائی الیکشن میں فرقہ وارانہ منافرت پیدا کرنے کے لئے طرح طرح کا جتن اور کوشش کررہی ہے۔اس وقت مسلم پرسنل لا میں حکومت کی مداخلت اور طلاق ثلاثہ اور یکساں سول کوڈ (یعنی سب کے لئے ایک جیسا قانون) کا مسئلہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، جس نے ہندوستان کی سیاست میں ایک بھونچال پیدا کردیا ہے۔

جب تک ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت تھی اس وقت تک یہاں کا قانون اسلامی شریعت کے مطابق تھا، جب ملک پر انگریزوں نے قبضہ کیا تو انھوں نے ۱۸۶۲ء میں اپنا قانون نافذ کیا تو مسلمانوں کو اپنے عائلی مسائل (یعنی نکاح وطلاق اور خلع وغیرہ) کو اسلامی طریقہ پر حل کرنا

مشکل ہوگیا، انھوں نے حکومت وقت سے درخواست کی کہ ہمیں اپنے عائلی مسائل کو شریعت کے مطابق حل کرنے کی آزادی دی جائے، تو انگریزی حکومت نے اس درخواست منظور شریعت ایکٹ ۱۹۳۷ء میں پاس کیا، اور اسے ہندوستانی قانون میں شامل کر دیا گیا، اب مسلمانوں کے اس طرح کے مسائل میں عدالتیں قانون شریعت کے ماہرین سے رجوع کر کے ہی کوئی فیصلہ کرسکتی تھیں۔ جب ملک آزاد ہوا تو شریعت ایکٹ ۱۹۳۷ء کو بعینہ دستور ہند کا حصہ بنا دیا گیا، یہی مسلم پرسنل لا ہے جو آج بھی ہندوستان عدالتی نظام میں رائج ہے، لیکن ہندوستان کے فرقہ پرستوں کو اتنی سی بات بھی کھل رہی ہے، اور وقتاً فوقتاً اس کے خلاف آواز اٹھاتے رہے، اور اب جب مرکز ان کی حکومت قائم ہوگئی تو خود حکومت اس کے خلاف سپریم کورٹ میں فریق بن کر پہونچ گئی، اور گزشتہ ڈھائی سال میں مسلمانوں کے ذاتی مسائل اور شریعت میں مداخلت کرنا اس حکومت کا پسندیدہ موضوع بن چکا ہے، جس کا مقصد صرف سیاسی فوائد کا حاصل کرنا اور اپنے اقتدار کو مستحکم کرنا اور طول دینا ہے۔

حکومت وقت نے چند دین بیزار مسلم خواتین کی طرف سے طلاق ثلاثہ کی مخالفت کو سترہ کروڑ مسلمانوں کے خلاف ایک بہانہ بنالیا ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے ۹۹ر فیصد مسلمان مرد وعورت کسی بھی صورت میں اسلامی شریعت کے خلاف کوئی قدم اٹھا کر اپنے دین وایمان کا سودا نہیں کرسکتے۔ اور طلاق ثلاثہ کا مسئلہ خالص مسلمانوں کا مسئلہ ہے جس کو وہ خود حل کرلیں گے اور حکومت کو اس کا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ آئین ہند میں دی گئی آزادی اور تحفظ کو سلب کرنے کی کوشش کرے۔ اور وہ مسلمان کتنے بدبخت ہیں جن کی وجہ سے جن کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا، جو معمولی دنیاوی مفاد کے لئے طلاق ثلاثہ کا مسئلہ کورٹ میں لے کر گئے اور کروڑوں مسلمان اور خود اسلام کے لئے ایک زبردست خطرہ بن گئے۔

ایک مسلمان ہونے کی حیثیت ہم سب کا اس بات پر ایمان ہے کہ ہماری نجات کا واحد راستہ اسلام ہے، دنیا وآخرت کی کامیابی اللہ ورسول کی اتباع اور احکام شریعت کی پیروی میں ہے، لہٰذا اپنے وجود اور ایمان کی بقا کے لئے بس ایک ہی صورت ہے کہ ہم خود پورے طور پر اسلامی قانون پر عامل ہوں، خواہ وہ نکاح وطلاق اور خلع کے متعلق ہو یا انسانی زندگی کے کسی بھی مرحلے سے اس کا تعلق ہو، اور موجودہ صورتحال میں ظاہری تدبیر کے طور پر مسلم پرسنل لا بورڈ کی آواز پر لبیک کہیں اور دستخطی مہم میں پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ شریک ہوں، تاکہ حکومت کا پلان فیل ہوجائے اور وہ یہ جان لے کہ قانون شریعت کے ساتھ چھیڑ چھاڑ آسان نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں استقامت عطا فرمائے۔ آمین

ہدایت القرآن

تقویٰ تمام کامیابیوں کی کنجی

حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریابادیؒ

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَہٗ مَخْرَجاً وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ، وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ، اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ أَمْرِہٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْراً

اور جو کوئی اللہ سے تقویٰ اختیار کرتا ہے، اللہ اس کے لئے کشائش پیدا کر دیتا ہے، اور جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا، اسے روزی دیتا ہے، اور جو کوئی اللہ پر توکل رکھے پس وہ اس کیلئے کافی ہے، یقیناً اللہ اپنا ہر کام پورا کر لیتا ہے، اللہ نے ہر شے کا اندازہ ٹھہرا رکھا ہے۔

یہ کسی شاعر کا کلام نہیں، کسی انشاء پرداز کی عبارت آرائی نہیں، کسی انسانی دماغ سے نکلا ہوا مقولہ نہیں، زمین وآسمان کے پیدا کرنے والے، تمام اشیاء کو نیست سے ہست کرنے والے، جملہ اسباب ووسائل کی باگ اپنے ہاتھ میں رکھنے والے کا ارشاد ہے، جو قرآن پاک کی سورۂ طلاق کے رکوع ۲ میں وارد ہوا ہے۔ آپ کا اس کے متعلق کیا خیال ہے؟ آپ بھی دنیوی کامیابی کیلئے تقویٰ کی اس اہمیت کے قائل ہیں؟ آپ بھی توکل کو ایسی ہی اہم اور ضروری چیز خیال کرتے ہیں، یا اس کے برعکس ایک ضعیف الاعتقادی وخام خیالی؟

آیت کریمہ کا مفہوم واضح ہے، کسی تفسیر وتحشیہ کی حاجت نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے، کہ جو کوئی اللہ سے تقویٰ اختیار کرتا ہے، جو خوفِ خدا، خشیت الٰہی، امانت، صداقت، دیانت کو اپنی روشِ زندگی بنا لیتا ہے، اس کیلئے اسی مادی دنیا میں کامیابی اور کشائش کی نئی نئی راہیں اللہ پیدا کرتا رہتا ہے، اور سامانِ معاش ومعیشت اسے اُن اُن ذرائع سے بہم پہونچا تا رہتا ہے، جن کا اسے قبل سے کچھ وہم وگمان بھی نہیں ہوتا، اور جو کوئی اللہ پر توکل واعتماد رکھتا ہے، وہ اپنی مراد کو پہونچ کر رہتا ہے، اس لئے کہ اسی کی ذاتِ پاک تو تمام اسباب پیدا کرنے والی اور ان پر قدرت رکھنے والی ہے، اور وہی تو ہر ضرورت اور اس کے سامان کا اندازہ داں اور اس کی بہم رسانی پر تنہا، بغیر کسی کی شرکت وامداد کے قادر ہے۔ پس اپنے ذہن کو درمیانی واسطوں اور وسیلوں میں کیوں اتنا الجھائے ہوئے رہتے ہو۔ براہ راست اسی

مسبب الاسباب، اسی قادر مطلق سے کیوں نہیں تعلق پیدا کر لیتے۔اسباب کا جال بھی اسی حکیم مطلق کا پھیلایا ہوا ہے، اس لئے ان سے کام لینے کو منع نہیں فرمایا، ان سے واسطہ رکھنے کو حرام نہیں قرار دیا، لیکن ان پر تکیہ کرنے، ان پر اعتماد کرنے، ان سے دل اٹکانے کو یقینا جہالت ونادانی بتایا ہے، اوراس اعتماد وتوکل اس بھروسے اور سہارے کے لائق صرف اپنی ہی ذات کوقرار دیا ہے۔یہ اللہ کا فرمان تھا، اوراسی کی بنا پر رسول ﷺ کا یہ عمل تھا، کہ عین اس شب کو جب کہ مکہ کی ساری آبادی خون کی پیاسی ہورہی تھی، اورقتل کرنے والے سازشی اور خونی، موقع کے منتظر مکان کا چکر کاٹ رہے تھے، اپنے محبوب اور عزیز ترین بھائی علی مرتضیٰؓ کو اپنے بستر خواب پر لٹا کر، اورقرآن کی یہ آیت پڑھتے ہوئے کہ ''ہم نے ان کافروں کے آگے اور پیچھے دیواریں کھڑی کردی ہیں، اورہم نے ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ نہیں دیکھتے'' (وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدّاً وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدّاً فَأَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ) مکان سے باہر تشریف لے آئے اورخونیوں میں سے کوئی بھی نہ دیکھ سکا!

یہ اللہ کا ارشاد اوررسول کا عمل تھا، اب اپنے دل سے دریافت ہو، کہ آپ کا خیال اورآپ کا عقیدہ، آپ کی عادت اورآپ کا عمل اس باب میں کیا ہے؟ دیکھنے میں تو یہ آیا ہے، کہ آپ کو جب کبھی کسی معاملہ میں کامیابی حاصل ہوئی تو اسے ہمیشہ آپ نے اپنی ہی کوشش وپیروی، اپنے اثر اور جوڑ توڑ، اپنی تدبیر ودانائی کا نتیجہ قرار دیا۔مقدمہ میں جب آپ کو فتح ہوئی اس کا سہرا ہمیشہ آپ کی دوڑ دھوپ اورآپ کے وکیل صاحب ہی کی ذہانت وقابلیت کے سر بندھا۔ملازمت اگر آپ کو آپ کی مرضی کے موافق مل گئی، تواس پر آپ نے ہمیشہ اپنی ہی حکام رَسی، اپنے ہی اعلیٰ اسناد، اوراپنے ہی اثر ورسوخ کو قابل مبارکباد سمجھا۔جب بیماری سے آپ کو شفا ہوئی تو ہمیشہ آپ نے اپنے معالج ہی کی حذاقت ومسیحائی کا کلمہ پڑھا۔غرض زندگی ہر ہر شعبہ میں آپ نے جب جب توکل واعتماد کیا، تو ہمیشہ داروغہ صاحب اور ڈپٹی صاحب، کلکٹر صاحب اورجج صاحب، ڈاکٹر صاحب اورحکیم صاحب، وکیل صاحب اور بیرسٹر صاحب، راجہ صاحب اورنواب صاحب، وزیر صاحب اور لاٹ صاحب ہی پر کیا اوران سے بڑھ کر خود اپنے دل ودماغ، اپنی عقل وتدبیر پر کیا، پر ان تمام صاحبوں کے صاحب کا جلوہ بھی کبھی آپ نے اپنے دل کی گہرائیوں میں دیکھا؟ ان تمام جھوٹے خداؤں کے سچے خدا کے فضل وکرم سے کبھی آپ نے اپنے دل کو اَٹکایا؟ تماشہ گاہِ شہود کی ان ساری کٹھ پتلیوں کے پیچھے جو پُرقوت غیبی ہاتھ ہے، کبھی اس کے چومنے اورآنکھوں میں لگانے کی گدگدی بھی آپ کے دل میں پیدا ہوئی؟

ہدایت الکتاب والسنۃ

غیبت

مولانا ضیاء الحق خیر آبادی

غیبت کہتے ہیں اپنے بھائی کی عدم موجودگی میں اس کا ذکر ایسے حال اور اوصاف کے ساتھ کرنا جو اسے ناپسند ہو۔

غیبت کے متعلق اللہ تعالیٰ کے ارشادات:

(۱) یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْہُ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ (الحجرات:۱۲)

اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو، کیونکہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں، اور ٹوہ، مت لگایا کرو، اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے، اس کو تو تم ناگوار سمجھتے ہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا، مہربان ہے۔

(۲) وَمَنْ یَّکْسِبْ خَطِیْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ یَرْمِ بِهٖ بَرِیْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا (النساء:۱۱۲) اور جو شخص کوئی چھوٹا گناہ کرے یا بڑا گناہ، پھر اس کی تہمت کسی بے گناہ پر لگادے، سو اس نے بڑا بھاری بہتان اور صریح گناہ اپنے اوپر لادا۔

(۳) لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ وَ کَانَ اللّٰہُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا (النساء:۱۴۸) اللہ تعالیٰ بری بات زبان پر لانے کو پسند نہیں کرتے بجز مظلوم کے، اور اللہ تعالیٰ خوب سنتے ہیں، خوب جانتے ہیں۔

(۴) وَیْلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَةٍ لُّمَزَةِ (الھمزۃ:۱)

بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کیلئے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہو اور رُو در رُو طعنہ دینے والا ہو۔

احادیث رسول ﷺ:

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا، اللہ اوراس کے رسول زیادہ جانتے ہیں، تو آپ نے فرمایا: اپنے بھائی کا ذکر ایسے الفاظ سے کرنا جو اسے ناگوار گزرے۔ عرض کیا گیا اگرچہ وہ چیزیں اس کے اندر موجود ہوں؟ آپ نے فرمایا: اگر وہ چیزیں اس کے اندر موجود ہوں تب ہی تو وہ غیبت ہے، اگر موجود نہ ہوں تو وہ بہتان ہے۔ (مسلم شریف)

(۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع میں یوم النحر کو منیٰ میں خطبہ دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خوب سن لو! تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری آبرو ٹھیک اسی طرح محترم ہے، جیسا تمہارا یہ دن، تمہارے اس مبارک مہینے میں، تمہارے اس مقدس شہر میں لائق حرمت ہے، سن لو! کیا میں نے خدا کا پیغام پہونچا دیا؟ (بخاری ومسلم)

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، (اس اُخوت کا تقاضا یہ ہے کہ) وہ اس کے ساتھ خیانت نہ کرے، نہ اس کی تکذیب کرے اور نہ اس کو رسوا کرے۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے لائق احترام ہے، یعنی اس کی آبرو ،اس کا مال اوراس کا خون، اور (دل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) تقویٰ یہاں ہے۔ آدمی کے برا ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی شریف)

(۴) حضرت ابوسعید خدری اور حضرت جابر **رضی اللہ عنہما** سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غیبت، زنا سے زیادہ سنگین ہے، بعض صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! غیبت زیادہ سنگین کیونکر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: آدمی زنا کر لیتا ہے تو صرف توبہ کرنے سے اس کی معافی اور مغفرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوسکتی ہے، مگر غیبت کرنے والے کو جب تک خود وہ شخص نہ معاف کردے، جس کی اس نے غیبت کی ہے، اس کی معافی اور بخشش اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوگی۔ (شعب الایمان للبیہقی بحوالہ معارف الحدیث)

(۵) حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے وہ لوگو! جو زبان سے ایمان لائے ہو اور ایمان ابھی ان کے دلوں میں اُترا نہیں ہے، مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو، اوران کے چھپے ہوئے عیوب کے پیچھے نہ پڑا کرو، کیونکہ جو ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ کا

معاملہ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی ہوگا، اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ معاملہ ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کو اس کے گھر میں ذلیل کردے گا۔ (ابوداؤد شریف)

اقوالِ سلف:

(۱) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: کہ جب خراب دور آجائے تو لوگوں سے اس طرح احتیاط کرو جیسے بدگمانی میں احتیاط کی جاتی ہے۔ ہر مسلمان پر یہ حق ہے کہ وہ غیبت کرنے والے کا عذر تسلیم نہ کرے اگرچہ وہ حق ہو، اور نہ اس کی مدد کرے اگرچہ وہ اپنی غیبت کے ذریعہ سچائی کا ارادہ کرتا ہے، اس لئے کہ یہ بے ادبی، جذبۂ حفاظت کی کمی اور شرافت سے دوری کی وجہ سے ہے۔ اس لئے غیبت کرنے والا اگرچہ سچا ہو مگر اس نے اس برائی کو ظاہر کردیا جو پوشیدہ تھی، اس پردے کو ہٹادیا جو پڑا ہوا تھا، اور پوشیدہ راز کو کھول دیا، اور ایک حرام چزی کو حلال سمجھا، تو اس نے قول وقرار اور عہد کی رعایت نہیں کی اور نہ حرمت کی حفاظت کی۔

(۲) حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے کچھ لوگوں کی ضیافت کی، جب وہ لوگ کھانے کے لئے بیٹھے تو ایک شخص ی شکایت کرنے لگے، ابراہیم نے فرمایا: ہم سے قبل لوگ گوشت سے پہلے روٹی کھاتے تھے اور آپ لوگ روٹی سے پہلے گوشت کھانے لگے۔ (غیبت کرنا، مردار بھائی کا گوشت کھانا ہے)

(۳) ایک حکیم نے کہا: غیبت علماء کا تفکہ ہے، فاسقوں کی ضیافت ہے، عورتوں کی چراگاہ ہے، کمینوں کا سالن ہے، اور متقیوں کی سنڈاس ہے۔

(۴) حضرت ابن سیرینؒ سے ایک شخص نے کہا کہ میں نے آپ کی غیبت کی ہے، آپ مجھے معاف کردیں، تو انھوں نے فرمایا: جس چیز کو اللہ نے حرام قرار دیا میں اس کو معاف کرنیوالا کون ہوتا ہوں۔

(۵) ایک حکیم سے پوچھا گیا، سچے آدمی کی مذمت کب کی جاتی ہے؟ کہا کہ جب وہ سچائی غیبت ہو۔

(٦) غیبت کی بنیادی وجوہات دس ہیں۔ (۱) غصہ میں دل کی بھڑاس نکالنا۔ (۲) کسی قوم کی مدد کرنا (یعنی دوسروں کی شکایت کرکے) (۳) تہمت۔ (۴) بغیر تحقیق کے کسی خبر کی تصدیق کرنا۔ (۵) بدگمانی۔ (٦) حسد۔ (۷) استہزاء وتمسخر۔ (۸) تعجب۔ (۹) عاجز ہونا۔ (۱۰) تزین وآرائش۔ لہٰذا اگر تم سلامتی چاہتے ہو تو صرف خالق کا ذکر کرو اور مخلوق س صرفِ نظر کرو، تو یہ چیز تمہارے لئے غیبت کی جگہ عزت بن جائے گی، اور گناہ کی جگہ درستگی!

(۷) اگر کسی کے سامنے اس کے مسلمان بھائی کی غیبت کی گئی اور وہ اس کے روکنے پر قادر ہے مگر اس نے روکا نہیں تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا و آخرت دونوں جگہ رُسوا کرے گا۔

نمونۂ غیبت:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں ہر دو خوشحال شخص کے ساتھ اپنے اصحاب میں سے ایک معمولی حیثیت والے کو کر دیتے تھے، تاکہ ان کے ساتھ ان کے کھانے میں شریک رہے، اور ان سے پہلے منزل پر پہونچ جائے اور جو کچھ ضرورت ہو اس کا انتظام کرے۔ ایک مرتبہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو دو آدمیوں کے ساتھ لگا دیا، ایک دن دونوں ایک جگہ اترے، سلمان فارسیؓ نے ان کے لئے منزل پر کچھ اہتمام وانتظام نہیں کیا، تو ان دونوں نے ان سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤ اور ہمارے لئے بچا ہوا سالن مانگ لاؤ، حضرت سلمان چل پڑے، جب نظروں سے اوجھل ہو گئے تو ایک نے اپنے ساتھی سے ان کی شکایت کی، کہ یہ شخص (اتنا بے برکت ہے کہ) اگر کنویں کے پاس چلا جائے تو اس کا پانی کم ہو جائے۔

حضرت سلمانؓ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچے اور ان کا پیغام سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں سے کہو کہ تم نے تو سالن کھا لیا، حضرت سلمانؓ نے ان کے پاس جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات نقل کی، تو وہ دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ ہم نے کوئی سالن نہیں چکھا، تو آپ نے فرمایا کہ میں تو تم دونوں کے منہ میں گوشت کی سرخی دیکھ رہا ہوں، تو دونوں نے پھر کہا کہ ہمارے پاس کچھ نہ تھا اور ہم نے آج گوشت نہیں کھایا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دونوں نے اپنے بھائی کی غیبت کی ہے۔ کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ مردار کا گوشت کھاؤ؟ دونوں نے کہا ہرگز نہیں۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں سے کہا کہ جب تم مردار کا گوشت کھانا پسند نہیں کرتے ہو تو غیبت مت کرو، اسلئے کہ جس نے اپنے بھائی کی غیبت کی اس نے اس کا گوشت کھایا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ و لا یغتب بعضکم بعضاً یعنی ایک دوسرے کی غیبت نہ کیا کرو۔

''گوشت خوری'' کی یہ وبا ہمارے معاشرے میں اس قدر عام ہو چکی ہے کہ عوام وخواص سب اس کے اندر مبتلا ہیں، اور اس کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ اس کی قباحت اور اس کے گناہ ہونے کا تصور ہی دلوں سے نکل چکا ہے، مذکورہ آیات واحادیث اور اقوال سلف کی وعیدات کی روشنی میں اس کی شدت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، باری تعالیٰ ہمیں اور پورے معاشرہ کی اس بلا سے حفاظت فرمائے۔ آمین

من عادیٰ لی ولیاً فقد آذنته بالحرب

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ

امیر المومنین فی الحدیث امام محمد بن اسماعیل البخاری علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ’’الجامع الصحیح ‘‘میں سیّدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے ایک حدیث قدسی نقل کی ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إن اللہ تعالیٰ قال: من عادیٰ لی ولیاً فقد آذنته بالحرب۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس نے میرے کسی ولی سے عداوت کی تو میری جانب سے اس کو اعلان جنگ ہے۔

یہ حدیث اور اس کی تعلیم تمام انسانوں کے لئے بالعموم اور اہل اسلام کے لئے بالخصوص بہت ہی اہمیت کی حامل ہے، کیونکہ بسا اوقات انسان کسی بڑی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے، اور رہائی کی سینکڑوں تدبیریں کرتا ہے، دعائیں کرتا ہے، دوسروں سے بھی دعائیں کراتا ہے، مگر مصیبت برقرار رہتی ہے، اسے خبر نہیں ہوتی ہے، کہ یہ بلا اس کے سر پر کیوں مسلط ہوئی ہے، مصائب بتا کر نہیں آتے کہ ان کا تسلط فلاں معصیت اور فلاں جرم کی بنا پر ہے، اور حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اس کے دل میں اللہ کے کسی ولی کی عداوت ہوتی ہے، اس کی غیبت اور آبرو ریزی کرتا ہے، اسے ستاتا ہے، اور اس کے نتیجے میں وہ خدا کے اعلانِ جنگ کے خطرہ میں گرفتار ہوتا ہے، اور جس کی لڑائی خدا سے ہو، اس کو کون سی تدبیر بچا سکتی ہے۔ **أعاذنا اللہ منه**

اگر کوئی فرد کسی ایک ولی سے عداوت میں مبتلا ہوتا ہے، تو خدا کا قہر اس ایک فرد کی جانب متوجہ ہوتا ہے، اور اگر کوئی جماعت، کوئی معاشرہ، کوئی گروہ کسی ایک یا چند اولیاء اللہ سے بغض رکھتا ہے، تو وہ پوری جماعت، پورا معاشرہ اور پورا گروہ اس قہر و حرب کی زَد میں آجاتا ہے۔ مولانا روم نے اسی حدیث کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ ؎

ہیچ قومے را خدا رُسوا نہ کرد — تا دلِ صاحبدلے نالد بدرد

اللہ تعالیٰ کسی قوم کو رُسوا نہیں کرتے، جب تک کسی صاحب دل کا دل اس سے نہیں دکھتا۔

تاریخ کے اَوراق اور انسانی تجربات اس حدیث کی صداقت کی گواہی سے لبریز ہیں، جب اور جہاں کسی اللہ کے ولی کا دل دکھایا گیا ہے، قہر خداوندی کے شرارے وہاں برسے ہیں، جب تک یہ نہیں ہوتا قومیں کفر وشرک کے باوجود ایک مدت تک باقی رہتی ہیں، جو قومیں انبیاء کرام سے ٹکرائیں ان کا حشر کیا ہوا؟ قرآن کریم میں ان کے احوال پڑھ لیجئے، انبیاء کرام یقینی طور اللہ کے ولی ہیں، انبیاء کے علاوہ دوسرے اولیاء کی ولایت گو اس درجہ کی یقینی نہ ہو، لیکن انبیاء کرام کے بتائے ہوئے علامات سے انھیں پہچانا جاسکتا ہے۔

انسان ہلاکتوں سے بچنے کی حتی الامکان احتیاطی تدابیر اختیار کرتا ہے، اپنے جانی اور مالی نقصان سے ہر شخص ڈرتا ہے، کون چاہتا ہے کہ اسے کسی طرح کا ضرر لاحق ہو، پھر جہاں اور تدبیریں کی جاتی ہیں، امراض اور وباؤں کے لئے پیشگی ٹیکے لگواتے ہیں، وہیں اس کا اہتمام کیوں نہیں کیا جاتا کہ اللہ کے ولیوں کی عداوت اور ان کی ایذا رسانی سے خود کو لوگ بچائیں، عجیب بدقسمتی ہے کہ ایک شخص اپنی ہستی کو مٹا کر، اپنی شخصیت کو مٹا کر، اللہ ورسول کی تعلیمات پر خود کو قربان کر کے ''**حیاۃ طیبہ**'' حاصل کرتا ہے، اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے اور دوسرے افراد اس کا مذاق اُڑا کر، اس کی تذلیل کر کے، اس سے عداوت کر کے اللہ کے قہر وغضب میں مبتلا ہوتے ہیں، حالانکہ کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ایسے لوگ تباہ ہوجاتے ہیں، عجیب عجیب لاینحل مصیبتوں، ذلتوں اور بلاؤں میں ڈوبے جاتے ہیں، ایک کو دیکھ کر دوسرے کو عبرت حاصل کرنی چاہئے، مگر جیسے بھیڑوں کا ریوڑ ہو کہ ایک کنوئیں میں گرتی ہے، تو دوسرے کا قدم رکتا نہیں، وہ اسی میں جا پڑتی ہیں۔

ہاں سوال ہے کہ اللہ کا ولی کون ہے؟ تو شریعت اسلامیہ نے کسی بھی مسئلہ کو ناصاف نہیں چھوڑا ہے، ہر ایک کے حدود وعلامات مقرر فرمادیئے ہیں، آدمی ذرا تامل کرے تو بات بالکل واضح نظر آتی ہے۔

صاحب فتح الباری علامہ حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ نے اس حدیث کی شرح کے ذیل میں ولی کی تعریف یہ ہے کی ہے: **المراد بولی اللہ العالم باللہ المواظب علی طاعتہ المخلص فی عبادتہ**۔ اللہ کا ولی وہ ہے، جو اللہ کی معرفت رکھتا ہو ہمیشہ اللہ کی اطاعت کرتا ہو، اور اس کی عبادت میں مخلص ہو۔ یہ اللہ کے ولی کی تعریف بھی ہے، اور اس کے علامات کا بیان بھی ہے، جسے اللہ کی معرفت حاصل ہوگی، وہ ہر حال میں اللہ سے راضی ہوگا، اور ہر حال میں اللہ کو یاد رکھے گا، اسے دیکھ کر، اس کی

صحبت میں بیٹھ کر اللہ یاد آئے گا، اللہ کی اطاعت کا ظاہراً بھی پابند ہوگا اور باطناً بھی، اور یہی اس کا حال اور مزاج ہوگا، اس کا دلی جذبہ اور رُجحان اللہ کی اطاعت ہی کا ہوگا اور پھر اس کی عبادت کا منشاء کوئی غرضِ دنیاوی یا لذتِ نفسانی نہ ہوگا، بلکہ محض اللہ کے لئے وہ عبادت کرتا ہوگا، جس کے یہ احوال ہوں، ظن غالب یہ ہے کہ وہ اللہ کا ولی ہوگا، اس کی عداوت ضرور مہلک ہوگی۔ یہ تعریف تو حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ نے قرآن وحدیث ہی کی روشنی میں ذکر کی ہے، لیکن آیئے، حدیث کے باقی الفاظ کا بھی مطالعہ کرلیں، کہ زبان رسالتمآب ﷺ کے واسطے سے خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ولی کی کیا شان بتائی ہے۔ فرماتے ہیں: **وماتقرب إلی عبدی بشیٔ أحب إلی مما افترضته علیه ومازال عبدی یتقرب إلی بالنوافل حتیٰ أحببته فکنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها وإن سألنی لأعطیته ولئن استعاذنی لأعیذنه۔** اور بندہ جن چیزوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے، ان میں میرے نزدیک محبوب ترین اعمال وہ فرائض ہیں جنھیں میں نے اس پر فرض کیا ہے۔ اور بندہ نوافل کے واسطے سے برابر درجاتِ قرب میں ترقی کرتا جاتا ہے، یہاں تک کہ (ایک وقت وہ آتا ہے کہ) میں اس کا کان بن جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے، میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ پکڑتا ہے، میں اس کا پاؤں بن جاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے، اگر وہ مجھ سے کوئی سوال کرے تو میں اسے ضرور بالضرور دوں گا، اور اگر کسی چیز سے میری پناہ مانگے تو میں اسے ضرور پناہ دوں گا۔

خیال کیجئے! فرائض ونوافل کی پابندی کرنے والا کہاں تک پہونچتا ہے، وہ اللہ کی محبوبیت کے کس مقام پر فائز ہوتا ہے، کہ سننا، دیکھنا، پکڑنا، چلنا بظاہر اس کے کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں سے ہو رہا ہے مگر اللہ تعالیٰ اُن سب کی نسبت اپنی طرف فرمارہے ہیں، ظاہر ہے کہ جہاں شرف ومحبوبیت کی یہ کیفیت ہو، وہاں اگر اس سے کوئی دشمنی کرے گا، تو وہ دشمنی اس بندے سے کاہے کو ہوگی، اللہ ہی سے ہوگی، اور اللہ کا دشمن جسے اللہ تعالیٰ جنگ کی دھمکی دے رہے ہوں، بچ کر کہاں جاسکتا ہے۔

لیکن ابھی معاملہ اسی پر ختم نہیں ہے، اس محبوبیت ومقبولیت کی مزید معراج دیکھئے، فرماتے ہیں: **وماترددت عن شیٔ أنا فاعله ترددی عن نفس المومن یکره الموت وأنا أکره مساء ته**، اور جن کاموں کو مجھے کرنا ہوتا ہے، ان میں سے کسی میں مجھے وہ تردد نہیں ہوتا، جو مومن کی موت کے سلسلے میں ہوتا ہے، مومن موت کو ناگوار سمجھتا ہو اور مجھے اس کی ناگواری، گوارا نہیں ہوتی۔

خیال فرمایئے! ایک بندۂ مومن جو ولایت کے مذکورہ احوال سے متصف ہو، اس کی پسند وناپسند کا اللہ کو کس درجہ لحاظ ہے۔

یہاں حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ شیخ ابوالفضل بن عطاء کے حوالے سے ایک ضروری تنبیہ تحریر فرماتے ہیں، اللہ نے جو فرائض مقرر فرمائے ہیں، ان میں وہ فرائض ظاہرہ بھی ہیں، جن کا کرنا فرض ہے جیسے نماز اور زکوٰۃ وغیرہ، اور وہ بھی داخل ہیں جن کا ترک فرض ہے، جیسے زنا اور قتل وغیرہ، اسی طرح وہ فرائض بھی اس میں داخل ہیں جن کا تعلق باطن اور قلب سے ہے، فعلاً بھی اور ترکاً بھی، مثلاً اللہ کی معرفت، اس کی محبت، اس پر توکل، اس کا خوف وغیرہ

بہرحال جن کے یہ احوال واوصاف ہوں، ان سے دشمنی کرنا خطرناک ہے، احتیاط تو اس میں ہے کہ کسی بندۂ مومن کی عداوت اپنے دل میں نہ رکھے، لیکن جن مومنین کے کچھ خصوصی احوال ہوں، ان کی دشمنی اور ایذارسانی سے بہت بچنا چاہئے ورنہ قدرت کا انتقام ایسی راہوں سے آئے گا جس کا وہم وگمان بھی آدمی کو نہ ہوگا۔

فالحذر الحذر من معاودة اولیائه تعالیٰ۔ أللٰهم إنا نسالک حبک وحب من یحبک وحب عمل یقربنا إلیٰ حبک یاأرحم الراحمین۔

(حدیث دردِل ص: ۴۷ تا ۴۸)

☆☆☆☆☆

بقیہ صفحہ 46 کا

معاملات کے اس دوسرے حصہ کا تعلق چونکہ اسلامی شریعت کے عائلی اور شخصی نظام سے اس لیے ہمارے ملک، ہندوستان کا مسلمان ہرگز یہ نہیں چاہے گا کہ حکومتِ ہند کوئی ایسا قانون بنائے جو ''مسلم پرسنل لا'' کے خلاف ہو اور جس قانون سے مسلمانوں کے بنیادی اور مذہبی حقوق کی پامالی ہوتی ہو۔ ہندوستان کا مسلمان ذاتی طور شریعت پر عمل کرنے کے سلسلہ میں بہت غیور، جرءت منداور باہمت ثابت ہوا ہے کہ وہ اس ملک میں جہاں دسیوں مذہبوں اور سیکڑون فرقوں کے لوگ آباد ہیں قرآن وسنت کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہے، ''مسلم پرسنل لا'' پر عمل پیرا ہے، اور اپنے اسلامی تشخص اور اسلامی تہذیب وتمدن کے ساتھ صدیوں سے آج تک قائم ہے۔

□□□□□

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فراوانئ رزق کے روحانی اصول

مولانا محمد اللہ خلیلی قاسمی، شعبۂ انٹرنیٹ، دارالعلوم دیوبند

اٹھارہویں صدی میں، یورپ کے اقتصادی انقلاب کے بعد جب سے دنیا کا معاشی نظام کفر والحاد کے ہاتھوں میں آیا تب سے لوگوں کی سوچ کا دھارا بدل گیا۔ پہلے جب تجارت ومعاملات میں مذہب کا عمل دخل تھا لوگوں کی ذہنیت امانت ودیانت اور فکر آخرت سے معمور تھی۔ لوگ اگر ایک طرف رزق کے حصول کی تدبیریں کرتے تھے تو دوسری طرف رازق کائنات پر توکل کرتے تھے اور اس کے رضا جوئی کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ مگر آج دنیا کا نقشہ بدل چکا ہے، چاروں طرف کفر و مادیت کا دور دورہ ہے۔ مذہبی قدریں اور دینی روایات پامال ہورہی ہیں۔ ہر شخص جائز وناجائز کسی بھی طریقے سے دولت اکٹھا کرنے کی دھن میں ہے۔ اور تو اور، خود مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ حصولِ زر کے لیے اسلامی تعلیمات کو بالائے طاق رکھنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا۔ ان کے دلوں میں، معاذ اللہ، یہ خیال گھر کر چکا ہے کہ اسلامی احکامات کی پیروی کرتے ہوئے اقوامِ عالم کی طرح دولت نہیں کمائی جا سکتی ہے۔ حالاں کہ ایک نہایت بے ہودہ اور مہمل خیال ہے۔ اسلام نے دنیا کو ایک مکمل اور دائمی نظام حیات پیش کیا ہے جو ہر طرح کے حالات میں اس کی ہمہ جہت رہ نمائی کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ عوام تو عوام اچھے خاصے مذہبی لوگ بھی حصول رزق کے لیے حیران و پریشان نظر آتے ہیں لیکن ان کی نظر کبھی ان اعمال کی طرف نہیں جاتی جنھیں اللہ تعالی نے کشادگئ رزق اور کثرتِ مال کا سبب قرار دیا ہے۔ قرآن وحدیث میں بہت سے ایسے اعمال کی طرف واضح اشارہ موجود ہے جو رزق میں برکت اور دولت میں فراوانی کا باعث ہیں۔ درج ذیل سطور میں مختصراً دس اصول پیش خدمت ہیں:

۱۔ توبہ واستغفار:

قرآن پاک میں کئی مقامات پر توبہ واستغفار کے ذریعہ رزق میں برکت اور دولت میں فراوانی کا ذکر ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا قول نقل کیا گیا ہے: ''میں نے ان (قوم) سے کہا اپنے رب سے معافی

مانگو، بلاشبہ وہ بڑا بخشنے والا ہے، وہ تم پر خوب بارش برسائے گا، تمہیں مال و اولاد کی فراوانی بخشے گا، تمہارے لیے باغ پیدا کرے گا اور نہریں جاری کرے گا۔'' (سورۃ النوح، آیت ۱۰۔۱۱)

اسی طرح حضرت ہود علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو استغفار کی دعوت دی: ''اور اے میری قوم کے لوگو! اپنے رب سے معافی مانگو پھر اپنے رب سے رجوع کرو، وہ تم پر خوب برسنے والے بادل بھیجے گا اور تمہاری قوت میں مزید اضافہ کرے گا اور (دیکھو) مجرم بن کر منہ نہ پھیرو'' (سورہ ھود آیت ۵۲)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص بکثرت استغفار کرتا ہے؛ اللہ تعالیٰ اسے ہر غم سے چھٹکارا اور ہر تنگی سے کشادگی عنایت فرماتے ہیں اور اسے ایسی راہوں سے رزق عطا فرماتے ہیں جن کا اس کے وہم و گمان میں گذر تک نہیں ہوتا''۔ (ابوداود، ح: 1518)

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کے ساتھ طلبِ بارش کے لئے نکلے، آپ صرف استغفار کر کے واپس آ گئے، لوگوں نے عرض کیا حضرت ہم نے آپ کو استسقاء کی دعا کرتے سنا ہی نہیں۔ آپ نے فرمایا میں نے آسمان سے بارش برسانے والے سے بارش طلب کی ہے۔ پھر آپ نے آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی۔ امام حسن بصریؒ ہر اس شخص کو استغفار کا حکم دیتے جو آپ سے خشک سالی، فقر، اولاد کی کمی اور باغات سوکھنے کی شکایت کرتا۔

توبہ و استغفار کی حقیقت یہ ہے کہ انسان گناہ کو گناہ سمجھ کر چھوڑ دے، اپنے کیے پر شرمندہ ہو، آیندہ ترکِ معصیت کا پختہ عزم کرے اور جہاں تک ممکن ہو اعمالِ خیر سے اس کا تدارک کرے۔ اگر اس گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہو تو اس کی توبہ کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ صاحبِ حق سے معاملہ صاف کرے۔ ان شرائط کے بغیر توبہ بے حقیقت ہے۔

۲۔ تقوی و پرہیزگاری:

تقوی اللہ کے احکام پر عمل اور ممنوعات سے اجتناب کا نام ہے۔ تقوی ان امور میں سے ایک ہے جن سے رزق میں برکت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لئے راہ نکال دے گا اور اس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہوگا'' (۔سورہ طلاق آیت ۲، ۳)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں کشادگیٔ رزق کے متعلق یہ سب سے مہتم بالشان آیت ہے۔ دوسری جگہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''اور اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے

اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم آسمان وزمین کی برکتوں کے دروازے ان پر کھول دیتے۔لیکن انھوں نے جھٹلایا اس لیے ہم نے ان کی کمائی کی پاداش میں ان کو پکڑ لیا'' (سورۃ الاعراف،۹۶)

سورۂ مائدہ میں اللہ تعالی فرماتے ہیں: ''اگر وہ تورات اور انجیل اور اس (کتاب) کو جوان کے رب کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی ہے قائم کرتے تو انھیں اوپر سے بھی رزق ملتا اور ان کے قدموں کے نیچے سے بھی، ان میں ایک گروہ ضرور راہ راست پر ہے لیکن زیادہ تر لوگ ایسے ہیں جن کے اعمال بہت برے ہیں (سورۂ مائدہ،۶۶)

اس آیت میں لفظ ''برکات'' استعمال کیا گیا ہے جو برکت کی جمع ہے۔اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ برکتیں مختلف انواع واقسام کی ہوا کرتی ہیں۔نیز یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ برکت کا مطلب کثرت مال نہیں بلکہ کفایت مال ہے۔ورنہ بہت سے لوگ کثرت مال کے باوجود معاشی تنگی کا رونا روتے ہیں اور معاشی طور پر بہت سے بظاہر درمیانی درجے کے لوگ انتہائی اطمینان سے زندگی گذارتے ہیں۔امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں آسمان کی برکت سے مراد بارش اور زمین کی برکت سے مراد نباتات، میوہ جات، مویشی، چوپایوں کی کثرت اور امن وسلامتی ہے کیوں کہ آسمان باپ اور زمین ماں کے قائم مقام ہے اور مخلوقِ خدا کی تمام بھلائیاں اور منافع انھیں دونوں سے وابستہ ہیں۔امام خازنؒ کے بقول برکت کی حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز میں من جانب اللہ خیر پائی جائے۔

۳۔عبادت خداوندی میں انہماک:

اس سے مراد یہ ہے کہ عبادت کے دوران بندہ کا دل وجسم دونوں حاضر رہے۔خدائے واحد کے حضور میں خشوع وخضوع کا پاس رکھے۔ اللہ کی عظمت ہمیشہ اس کے دل ودماغ میں حاضر رہے۔حضرت ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم! میری عبادت میں منہمک رہو میں تیرا دل غنا سے بھر دوں گا اور تمہاری محتاجگی کا دروازہ بند کردوں گا۔اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو تمہارے ہاتھوں کو کثرت مشاغل سے بھر دوں گا اور تمہاری محتاجگی کا دروازہ بند نہیں کروں گا۔(ابن ماجہ، ح ۴۱۰۷)

۴۔توکل علیٰ اللہ:

ارشاد باری ہے: جو اللہ پر بھروسہ کرے گا تو وہ اس کے لیے کافی ہوگا، اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے، اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ (وقت) مقرر کر رکھا ہے۔'' (سورۂ طلاق، ۳)

حضرت عمر ابن الخطابؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اگر تم حسن و خوبی کے ساتھ اللہ پر توکل کرو تو تمہیں اس طرح رزق دیا جائے گا جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے؛ وہ صبح کے وقت خالی پیٹ جاتے ہیں اور شام کے وقت آسودہ ہو کر لوٹتے ہیں۔'' (مسند احمد، ح: ۲۰۵، ج ا ص ۲۴۳)

امام غزالیؒ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ اللہ پر دل کے اعتماد کو توکل کہتے ہیں۔ علامہ مناویؒ فرماتے ہیں ''اللہ پر بھروسہ اور اپنی طرف سے عاجزی کے اظہار کو توکل کہتے ہیں۔ ملا علی قاریؒ کے بقول اس بات کا یقین کہ موجودات میں صرف اللہ کی ذات مؤثر ہے کسی چیز کا نفع، نقصان، امیری، غریبی، صحت، مرض، حیات اور موت وغیرہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔

توکل کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ کسبِ معاش کی تمام کوششوں کو ترک کر دیا جائے اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہا جائے۔ خود حدیث مذکور میں نبی کریم ﷺ نے پرندوں کی مثال پیش کی ہے کہ وہ تلاشِ رزق میں صبح سویرے نکل جاتے ہیں۔ پرندوں کا صبح سویرے اپنے آشیانوں سے نکلنا ہی ان کی کوشش ہے۔ ان کی انھیں کوششوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو شام کے وقت آسودہ و سیراب واپس کرتے ہیں۔ لہٰذا اسباب کا اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے بلکہ اسباب اختیار کرنا عین تقاضائے شریعت ہے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ میں اپنی اونٹنی کو چھوڑ دوں اور توکل کرلوں ؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسے باندھو، پھر توکل کرو''۔ (مسند الشہاب، حدیث نمبر ۶۳۳ / ۱۴ / ۳۶۸)

۵۔ اللہ کے راستے میں خرچ کرنا:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا اجر اس کے پیچھے آئے گا، اور وہ بہترین رازق ہے۔'' (سورۃ الصبا، ۳۹)

دوسری جگہ فرمان باری ہے: ''شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کے کاموں کی ترغیب دیتا ہے، مگر اللہ اپنی طرف سے مغفرت اور فضل (رزق میں کشادگی اور برکت) کا وعدہ کرتا ہے، اللہ بڑی وسعت والا اور بڑا علم والا ہے۔'' (سورۃ البقرہ، ۲۶۸)

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ بنی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اے ابن آدم! خرچ کر، میں تیرے اوپر خرچ کروں گا۔'' (ابن ماجہ، ح ۲۱۲۳)

حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے حضرت بلال سے فرمایا ''اے

بلال! خرچ کرو اور عرش والے سے افلاس کا خوف نہ کرو''۔(مشکاۃ المصابیح، ح ۱۸۸۵، ۱/ ۵۹۰)

۶۔طالبانِ علوم اسلامیہ پر خرچ کرنا:

امام ترمذیؒ اور حاکمؒ نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دو بھائی تھے۔ایک بھائی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں علم ومعرفت حاصل کرنے آیا کرتا تھا اور دوسرا بھائی کسبِ معاش میں لگا ہوا تھا۔کسبِ معاش سے جڑے بھائی نے نبی کریم ﷺ سے اپنے بھائی کی شکایت کی (کہ میرا بھائی کسبِ معاش میں میرا تعاون نہیں کرتا) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ تمہیں اسی کی برکت سے رزق دیا جاتا ہو۔(ترمذی، ح ۲۳۴۸، ۷/ ۸)

علماء نے لکھا ہے کہ علوم اسلامیہ میں مشغول رہنے والے لوگ درج ذیل آیت کریمہ کے مفہوم میں داخل ہیں:''اعانت کے اصل مستحق وہ حاجت مند ہیں جو اللہ کی راہ میں ایسے گھر گئے ہیں کہ زمین میں دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے ، بے خبر آدمی ان کی خودداری دیکھ کرانھیں غنی خیال کرتا ہے،تم ان کو ان کے چہروں سے پہچان سکتے ہو، وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے ، اور جو مال بھی تم خرچ کرو گے اللہ اس کو جانتا ہے۔''(سورۃ البقرۃ، ۲۷۳)

۷۔صلہ رحمی واقرباء پروری:

حضرت ابوہریرہؓ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نیفرمایا''جسے وسعت رزق اور درازیٔ عمر کی خواہش ہو اسے رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہیے''۔(صحیح البخاری، کتاب الادب، حدیث نمبر ۵۹۸۵)

حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا''جسے درازیٔ عمر، وسعتِ رزق اور بری موت سے چھٹکارہ پانے کی خواہش ہو اسے اللہ سے ڈرنا چاہئے اور رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا چاہئے۔(مسند احمد، حدیث نمبر ۱۲۱۲، ۲/ ۲۹۰)

رَحم سے مراد رشتہ دار ہیں۔حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں رحم کا اطلاق رشتہ داروں پر ہوتا ہے خواہ ان کے درمیان وراثت اور محرمیت کا تعلق ہو یا نہ ہو۔صلہ رحمی کا جامع مفہوم یہ ہے کہ حسب وسعت رشتہ داروں کے ساتھ خیر خواہی اور بھلائی کا معاملہ کیا جائے اور شرور وفتن سے انھیں محفوظ رکھا جائے۔

۸۔کمزوروں کے ساتھ حسن سلوک:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بندوں کو ان کے کمزوروں کی وجہ سے رزق ملتا ہے اور ان کی مدد کی جاتی ہے۔حضرت مصعب بن سعدؓ روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ سعدؓ نے دیکھا کہ

انھیں دیگر لوگوں پر فضیلت حاصل ہے، تو رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''کم زوروں کے طفیل میں ہی تم کو رزق ملتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے۔(بخاری، کتاب الجہاد والسیر، ۱۰۸،۱۴/ ۱۷۹)

حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ میری رضا اپنے کم زوروں کے اندر تلاش کرو، کیوں کہ تمہیں کم زوروں کی وجہ سے رزق ملتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے۔ (مسند احمد، ۵/ ۱۹۸؛ ابوداؤد، ح 2591، ۷/ ۱۸۳؛ ترمذی، ابواب الجہاد، ۱۷۵۴)

۹۔ یکے بعد دیگرے حج و عمرہ کرنا:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پے در پے حج وعمرہ کرو؛ کیوں کہ یہ فقر اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے، سونے اور چاندی کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے، اور حج مبرور (مقبول) کا بدلہ صرف جنت ہے۔'' (مسند احمد، ح۳۶۶۹، ۵/ ۲۴۴، ۲۴۵، ترمذی، ح ۸۰۷، ۳/ ۴۵۴)

۱۰۔ اللہ کے راستے میں ہجرت:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت سے ٹھکانے اور بڑی وسعت پائے گا'' (سورۃ النسائ، ۱۰۰)

ہجرت دار الکفر (جہاں امورِ ایمان کی ادئیگی کی آزادی مسلوب ہو) سے دار الایمان کی طرف نکلنے کو کہتے ہیں۔ حقیقی ہجرت اس وقت ہوگی جب مہاجر کا ارادہ اللہ کا دین قائم کر کے اسے خوش کرنا ہو اور ظالم کافروں کے خلاف مسلمانوں کی مدد کرنی ہو۔

یہ وہ دس اصول ہیں جن کے بارے میں قرآن وحدیث میں وضاحت ہے کہ ان سے بندہ کے رزق میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کی تنگی دور کر دی جاتی ہے۔ □□□□

حادثہ وفات

27 صفر 1438ھ مطابق 28 نومبر 2016ء بروز دوشنبہ مدرسہ کے باورچی جناب بدرالدجی صاحب کا ایک مختصر علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔ دوشنبہ کو موصوف حسب معمول کھانا پکانے آئے، ناشتہ کے بعد اچانک طبیعت خراب ہوئی فوراً ڈاکٹر کو بلایا گیا، ڈاکٹر نے دیکھنے کے بعد بتایا کہ انتقال ہوگیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اسی روز مغرب کے بعد مولانا عبدالعظیم صاحب ناظم مدرسہ کی امامت میں جنازہ کی نماز ہوئی، اور تدفین عمل میں آئی۔ اللہ تعالی مرحوم کی مغفرت فرمائیں اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یادگارِ سلف

حضرت مولانا مفتی محمد ظہور صاحب ندویؒ

(المتوفی: ۲۲؍ذی الحجہ ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۵؍ستمبر ۲۰۱۶ء بروز یکشنبہ)

مولانا عبدالعظیم صاحب قاسمی، ناظم مدرسہ ہذا

القدرۃ للہ والبقاء للہ، دنیا دن بہ دن اہل علم، اولیاء اللہ سے خالی ہوتی جارہی ہے، قرب قیامت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ علم اٹھالیا جائے گا، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ علم اٹھانے کی نوعیت یہ ہوگی کہ اہل علم اٹھالئے جائیں گے۔

۲۵؍ستمبر ۲۰۱۶ء بروز یکشنبہ عالمی شہرت یافتہ ادارہ ندوۃ العلما لکھنؤ کے نائب ناظم حضرت مولانا محمد ظہور صاحب ندوی کا سانحہ ارتحال بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے، اللہ رب العزت نے حضرت مفتی صاحب کو عصر حاضر کے راسخین فی العلم کی صف میں ایک ممتاز مقام عطا کیا تھا۔ زہد واستغنا، سنجیدگی ومتانت، تواضع اور بے لوثی کے ساتھ ساتھ علوم اسلامیہ میں گہرائی وگیرائی، خاص کر فقہی مسائل میں تعمق واستحضار حضرت مفتی صاحب کا خاص وصف تھا، چونکہ مفتی صاحب تصنیف وتالیف اور تقریر وخطابت کے میدان کے آدمی نہیں تھے، بلکہ ان کا سارا زور درس وتدریس، فقہ وفتاویٰ اور رجال سازی ومردم گری پر تھا، اسی میں انھوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں کا استعمال کیا اور کامیاب استاذ کا کردار ادا کیا، اس لیے اہل علم مفتی صاحب کے صحیح مقام ومرتبہ سے واقف تھے، لیکن عامۃ المسلمین کا طبقہ مفتی صاحب کے کمالات سے نہ باخبر ہے اور نہ ہی ان کے نام کی گونج ان کے کانوں میں پڑی۔ خاص ان کے وطن مالوف سکٹھی شاہ محمد پور، مبارکپور اور قرب وجوار کے قصبات کے اکثر لوگ بھی مفتی صاحب سے اور ان کے بلند مقام سے واقف نہیں۔ یہ ٹوٹا ہوا تارا دیار مشرق خطہ اعظم گڑھ کے علمی افق پر نمودار ہوا تھا اور ۷۰؍سال تک مسلسل دلیل راہ بن کر متلاشیان علوم نبویہ کی راہنمائی کرتا رہا۔

حضرت مفتی صاحب کی شخصیت پر ان ہی کے خاندان کے ایک فاضل نوجوان جو رشتے میں ان کے پوتے ہیں مولانا عبدالعظیم صاحب قاسمی بانی وناظم مدرسہ تحفیظ القرآن سکٹھی نے یہ گرانقدر مضمون تحریر کیا ہے، اور حضرت مفتی صاحب کے خاندانی پس منظر سے پردہ اٹھایا، ان شاء اللہ وہ آئندہ تفصیل سے مفتی صاحب کے سوانح پر لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ (ادارہ)

ندوۃ العلما لکھنؤ کے نائب ناظم حضرت مولانا مفتی محمد ظہور صاحب ایک بے مثال شخصیت کے مالک تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت ساری خوبیوں سے نوازا تھا، ایسے لوگ کبھی کبھی پیدا ہوتے ہیں، جن پر دنیا رشک کرے:

مدت کے بعد ہوتے ہیں پیدا کہیں وہ لوگ
مٹتے نہیں ہیں دہر سے جن کے نشاں کبھی

مفتی محمد ظہور صاحب بھی اپنے اوصاف وکمالات اور علم وفن میں نشانِ کارواں اور بعد والوں کے لیے مشعل راہ ہیں، جو کہ اب ہماری بزم حیات سے چلے گئے اور اپنا نشان دلوں میں چھوڑ گئے۔

ولادت: آپ کی ولادت ضلع اعظم گڑھ کے مشہور صنعتی قصبہ مبارکپور سے متصل بجانب مغرب سکٹھی شاہ محمد پور کے ایک نمایاں علمی خانوادے میں ۱۹۲۷ء مطابق ۱۳۴۶ھ میں ہوئی، آپ کا خانوادہ ہر دور میں اپنی بعض خوبیوں کی بنا پر نمایاں رہا ہے، نیز علم وحکمت اور انصاف پروری میں معروف رہا ہے، آپ کا سلسلہ نسب ضیاء الدین خانؒ سے جا کر ملتا ہے، جو عہد جہانگیری میں جون پور کے نواب زادے تھے، اسلام قبول کرنے کے بعد ضیاء الدین خان نام رکھا اور آپ کے والد نے آپ کو سکٹھی شاہ محمد پور کی جاگیر عطا فرمائی، پھر آپ کی ہی نسلوں سے سکٹھی آباد وشاد ہوا، اور دھیرے دھیرے مختلف خاندان وجود میں آئے اور باضابطہ ایک گاؤں کی شکل اختیار کر لی۔

سلسلۂ نسب: آپ حضرت مولانا مفتی محمد ظہور صاحب ندویؒ بن جناب عبدالستار خان صاحب بن جناب خان محمد خان صاحب بن جناب جبین خان صاحب بن جناب جمن خان صاحب، یہاں تک سلسلہ نسب مل سکا، لیکن مورخ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوریؒ نے اپنی کتاب ''قاعدہ بغدادی'' میں حضرت مولانا حکیم محمد صابر صاحبؒ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ''آپ ضیاء الدین خان کی نسل سے ہیں، نیز ضیاء الدین خان کی نسل میں خان محمد خان سب سے زیادہ مشہور و معروف ہوئے''۔ اور خان محمد خان حضرت مفتی صاحب کے دادا لگتے تھے، ایسے ہی آپ کے چچازاد بھائی حکیم محمد صابر خان ندوی بھی علم وحکمت میں بڑے ہی مشہور تھے، (ان شاء اللہ آپ کا تذکرہ کسی الگ مضمون میں آئے گا) نیز حضرت مولانا حکیم محمد صادق خان اور حکیم عاشق الٰہی صاحب اور منشی یعقوب صاحب اس خانوادے میں نمایاں حیثیت کے مالک تھے۔ اللہ ان تمام بزرگوں کی قبروں کو نور سے بھر دے، آمین۔

تعلیم: آپ کا گھرانہ چونکہ ایک علمی گھرانہ تھا، ایک سے ایک ماہر فن خاندان میں موجود تھے، لہذا ابتدائی تعلیم کے لیے کسی رسم کی ضرورت نہیں تھی، محلے پڑوس کے بچے گھر میں قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرتے تھے، اس لیے گھر کے بچے بھی بزرگوں کی نگرانی میں ابتدائی تعلیم حاصل کر لیتے تھے، گاؤں سے پچھّم آم کے درخت کے نیچے ایک چبوترہ تھا، جہاں پرائمری کی ابتدائی تعلیم کا نظم تھا، آپ نے بھی پرائمری کی تعلیم اسی چبوترے اور گھر کی چہار دیواری میں ہی حاصل کی، پھر باضابطہ فارسی اور عربی کی تعلیم کے لیے جامعہ عربیہ احیاء العلوم کا انتخاب فرمایا، اور چند ہی سالوں میں شرح جامی تک تعلیم مکمل کر لی، اس وقت جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور میں شرح جامی تک ہی تعلیم کا نظم تھا، اب آگے کی تعلیم کا ایک مرحلہ تھا، حضرت مولانا حکیم محمد صابر صاحب کی فراغت ہو چکی تھی، بہرکیف رائے اور مشورے سے ندوۃ العلما کا انتخاب ہوا، ندوۃ العلما کا انتخاب کرنے کی ایک بڑی وجہ حضرت مفتی صاحب کے بہنوئی حضرت مولانا مفتی سعید صاحب ہینگائی پور اعظم گڑھ تھے، جو ندوۃ العلما میں بحیثیت استاذ خدمت انجام دے رہے تھے، ان ہی کی ایماء پر حضرت مفتی صاحب نے ندوہ کا رخ کیا اور اعلیٰ تعلیم کا آغاز فرمایا۔

دارالعلوم ندوۃ العلما میں: جس وقت آپ نے دارالعلوم ندوۃ العلما میں داخلہ لیا، اس وقت اپنے اپنے فن کے ماہر اساتذہ کرام موجود تھے، اور طلبہ کی تعداد بھی کم ہوتی تھی، تعلیم وتعلم کے خوب مواقع تھے، بقول مفتی صاحب: ''ہمارے زمانے میں اساتذہ سب لائق فائق تھے، ان کی خدمت کو ہم اپنی سعادت تصور کرتے تھے، ان کی زندگی ہمارے لیے نعمت تھی، اب وہ بات کہاں رہ گئی، اب تو سب کچھ بدل گیا۔''

حضرت مفتی صاحب کے اساتذہ میں نابغہ روزگار شخصیات تھیں اور آپ اپنے اساتذہ کا مکمل پرتو تھے، خاندانی وجاہت، خودداری، سادگی، تواضع اور اساتذہ کی شفقت وعنایت اور تربیت نے آپ کو کندن بنا دیا، چند ہی سالوں میں آپ ندوہ کے ہونہار طالب علموں میں شمار ہونے لگے۔ شرح وقایہ آپ نے مولانا شبلی فقیہ سے پڑھی، نیز علامہ سید سلیمان ندوی بھی آپ کے ادب کے استاذ تھے، آپ نے بخاری شریف حضرت مولانا شاہ حلیم عطا صاحب سے پڑھی جو سلون رائے بریلی کے رہنے والے تھے، آپ کو زندہ کتب خانہ کہا جاتا تھا۔ مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ آپ کے ساتھ انتہائی محبت فرماتے تھے، آپ کی بے لوث شخصیت نے اکثر اساتذہ کرام کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا،

حضرت مفتی صاحب حضرت مولانا شاہ حلیم عطا صاحب سے بہت متاثر تھے، فضیلت تک تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ نے تخصص فی الفقہ میں داخلہ لیا اور یہی آپ کا اصل میدان تھا، فقہ پر جو دسترس آپ کو حاصل تھی وہ کم لوگوں کو حاصل ہوتی ہے:

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

تدریسی اور فقہی خدمات: فراغت کے بعد آپ نے یہ طے کیا کہ تعلیم وتعلم کی راہ سے دین کی خدمت کرنی ہے، اب مسئلہ یہ تھا کہ کہاں سے دین کی خدمت شروع کی جائے؟ آپ کی خواہش تھی کہ ندوۃ العلما ہی میں تدریسی خدمات انجام دیں، گھر سے آپ بالکل فارغ تھے، معاش کا کوئی مسئلہ نہیں تھا، گاؤں میں واپسی کا مطلب تھا کہ کھیت کھلیان اور جاگیر سنبھالنا، ورنہ دینی خدمت کے لیے گاؤں سے اچھی کوئی جگہ نہیں تھی، اس کا احساس آپ کو زندگی بھر رہا، بہرکیف کلکتہ میں کوئی جگہ خالی تھی، آپ نے درخواست بھیج دی جو قبول ہوگئی، جانے کی تیاری بھی آپ نے کرلی، اس سے قبل آپ نے ندوہ میں کوشش کی تھی، شاید ابھی کوئی جگہ نہیں تھی، کلکتہ جانے کا تذکرہ جب مولانا سعید احمد صاحب ندوی (جو آپ کے بہنوئی بھی تھے اور سرپرست بھی) کو ہوا تو آپ نے روکا اور ندوہ کے ذمہ داروں سے بات کی اور آپ کو بطور معین مفتی دارالافتا میں جگہ ملی اور آپ کا تقرر ۵۰/روپئے ماہوار پہ ہوا، تقریباً ڈیڑھ سال کی جدوجہد اور کوشش نیز آپ کی بہترین خدمات کو دیکھتے ہوئے آپ کو مفتی کی جگہ دے دی گئی۔ وہ زمانہ تھا اور آج کا دن، آپ نے ندوہ کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا، اور یہیں سے اٹھ کر اپنے رب کے حضور حاضر ہوگئے۔ آپ مفتی اعظم کے عہدے پر بھی فائز رہے اور تدریسی خدمات بھی انجام دیتے رہے، آپ کا درس بہت مقبول تھا، طلبا آپ سے بہت خوش رہتے، مختلف دور میں آپ نے مختلف فنون کی کتابیں پڑھائیں، بعض دوستوں نے (جو باضابطہ حضرت مفتی صاحب کے شاگرد ہیں) فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب کو بعض کتابیں ازبر یاد ہیں، فقہ تو آپ کا میدان تھا ہی، اس کے علاوہ بہت ساری ذمہ داریاں آپ کے سپرد رہی ہیں اور ہر ذمہ داری کو آپ نے بخوبی نبھایا، ۶۴/سالہ دور میں استاذ فقہ وحدیث اور صدر شعبۂ افتاء کے علاوہ ناظم دارالاقامہ ناظم مطبخ، ناظم تعمیرات، نائب مہتمم اور آخری دور میں نائب ناظم کی حیثیت سے آپ کی خدمات روز روشن کی طرح عیاں ہیں اور ان سے ذمہ دارانِ ادارہ اس قدر مطمئن تھے کہ کبھی

کسی ذمہ دار کو شکایت کا موقع نہیں ملا، نہ کبھی ہم عصر اساتذہ کرام سے کوئی چپقلش رہی، سب کے ساتھ محبت وشفقت کا معاملہ فرماتے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو عجیب طبیعت کا مالک بنایا تھا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

غصہ نہ ہونا، معاف کر دینا، اپنوں اور غیروں کے کام آنا، سب کی خدمت کرنا، اپنا کام خود سے کرنا، اپنی کمیوں پر نگاہ رکھنا، دوسروں کی خوبیوں کو بیان کرنا، یہ اور اس طرح کی سیکڑوں خوبیاں تھیں جو بلا مبالغہ آپ کی ذات میں موجود تھیں، میری ملاقات اطراف وجوانب کے بہت سے لوگوں سے ہوئی، جن کا آنا جانا لکھنؤ ہوتا رہتا تھا، لوگ اپنی ضرورت کے واسطے لکھنؤ جاتے تو حضرت مفتی صاحب سے ملاقات کی غرض سے یا اپنے کسی کام سے ان کی خدمت میں حاضری دیتے، مفتی صاحب ان کو نہیں پہچانتے، لیکن جب بتایا جاتا کہ کوئی اعظم گڑھ، مئو یا مبارک پور سے آیا ہے، تو آپ بہت خوش ہوتے، جو کام ہوتا اسے پورا کرنے کی کوشش کرتے، نیز ان مہمانوں کی خدمت کو اپنی سعادت تصور کرتے۔

جب ۲۰۱۰ء میں، میں حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپ کی معذوری کا ابتدائی زمانہ، میں نے دروازہ کی کنڈی بجائی تو آپ کے خادم باہر آئے ان سے میں نے کہا کہ مفتی صاحب سے کہہ دیجئے کہ آپ کے پوتے آئے ہیں، اجازت ملی اور مجھ کو اندر بلا لیا، حضرت مفتی صاحب سے ملاقات ہوئی، آپ بہت خوش ہوئے، گھر اور خاندان کے احوال پوچھے، میں نے سب کی خیریت بتائی، تقریباً چار گھنٹے مفتی صاحب بات کرتے رہے، مجھے حیرت ہوتی رہی کہ اتنی طویل گفتگو اور ایک بار بھی آپ نے اپنی پراپرٹی، کھیت کھلیان اور باغ کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں پوچھا، صرف کتاب، علم وعلما اور صلحا کی باتیں ہوتی رہی، خوب نکتے بیان کرتے رہے، بزرگوں کے واقعات سناتے رہے۔ میں نے خود ان کی اپنی زندگی کے بارے میں کئی سوال کئے، آپ نے ان سب کے جواب دئے۔

حضرت مفتی صاحب کو جب میں نے بتلایا کہ حضرت! گاؤں میں ایک اہم دینی کام ہوا ہے اور خاندان کے لوگوں نے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی ہے، جس کو تحفیظ القرآن کے نام سے موسوم کیا گیا، نیز باغ میں ایک مسجد ''بیت المجید'' کی تعمیر کا کام جاری ہے، مدرسہ میں پرائمری اور حفظ کا شعبہ چل رہا ہے اور خاندان والوں نے مشورہ سے آپ کو سرپرست منتخب کیا ہے، آپ اس ذمہ داری کو قبول

فرمائیے، آپ کی سرپرستی ہم لوگوں کے لیے باعث سعادت ہوگی، حضرت مفتی صاحب مسکرائے اور فرمایا کہ اب میں معذور ہوگیا ہوں، سفر کرنہیں پاتا، اس لیے یہ ذمہ داری کسی اور کوسونپ دو، میں نے کہا: حضرت! آپ کی دعائیں، آپ کے مشورے ہمارے لیے بہت ہی مفید ہوں گے، آپ جیسے بزرگوں کی ضرورت ہے، بہرحال دادا نے اس کو قبول فرمالیا اور بہت ہی خوشی کا اظہار فرمایا کہ گاؤں میں مسجد بھی بن رہی ہے اور مدرسہ بھی چل رہا ہے، اس وقت حضرت مفتی صاحب کی جو کیفیت تھی وہ قابل دید تھی، کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ ''جو فرض کفایہ خاندان والوں کے ذمہ تھا اور خاص طور پر ہم لوگوں کے ذمہ تھا، وہ آج پورا ہوگیا، مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ اب ان شاءاللہ ہم عاصیوں کی مغفرت ہوجائے گی'' اس کے بعد مدرسہ کے لیے خوب دعائیں دیں۔ کچھ دیر کے بعد میں نے عرض کیا کہ حضرت! اب مجھ کو جانا ہے، اگر طبیعت میں بشاشت ہوتو مدرسہ کے لیے کچھ تحریر لکھ دیں، تاکہ مدرسہ کے کام میں کچھ آسانی ہو۔ حضرت مفتی صاحب کی سادگی دیکھئے، آپ نے فرمایا: ''میرا کوئی لیٹر پیڈ نہیں اور نہ ہی کوئی مہر ہے، نہ میرا کوئی رابطہ نمبر ہے، ٹھیک ہے جب تم کہتے ہوتو ایک تحریر لکھ دیتا ہوں'' اور پھر آپ نے ایک سادے کاغذ پر تصدیق تحریر فرمائی، اس کے بعد میں وہاں سے رخصت ہوگیا۔ پھر سال میں دو تین بار ملاقات کی غرض سے جانا ہوتا، دادا بہت خوش ہوتے، دعائیں دیتے۔

ایک بار مدرسہ کی مالی امداد کیلئے ساؤتھ افریقہ کا پروگرام بنا، اگرچہ یہ سفر نہ ہوسکا، لیکن جب حضرت مفتی صاحب کو معلوم ہوا تو اپنے دیرینہ رفیق علامہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمہ کے صاحبزادے علامہ سید سلمان ندوی مقیم ڈربن (ساؤتھ افریقہ) کے نام ایک تحریر لکھی، جس سے مدرسہ کے ساتھ ان کے والہانہ لگاؤ کا اندازہ ہوتا ہے۔

مکرم ومحترم مولانا سلمان صاحب ندوی **زیدت عنایتکم**

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ آپ بخیر ہوں گے، ضروری تحریر یہ ہے کہ جب آپ ندوہ تشریف لاتے ہیں تو بہار آجاتی ہے، پرانی یادیں تازہ ہوجاتی ہیں۔ ہمارے یہاں وطن میں قریبی عزیزوں نے مدرسہ قائم کیا ہے، نوجوان مخلص حضرات مدرسہ کے ذمہ دار ہیں، مدرسہ چل رہا ہے۔ مالی دشواری ہے، ہوسکتا ہے کہ کوئی وہاں سے افریقہ جائے تو وہ آپ سے ملاقات کرے گا، امید کہ آپ ان کا تعاون فرمائیں گے، بندہ عاجز آپ کا ممنون ومشکور ہوگا۔ محمد ظہور ندوی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ایک اور ملاقات: یہ ۲۰۱۴ء کا شدید سردی کا زمانہ تھا، میں دارالعلوم ندوۃ العلما میں مفتی صاحب سے ملاقات کے لیے پہنچا، اتفاق سے آپ بالکل تنہا تھے، تھوڑی دیر خدمت کا موقع ملا، وہیل چیئر پر بیٹھا کر آپ کو باہر دھوپ میں لایا، اس دن آپ کی طبیعت کچھ بہتر تھی، گھر، خاندان اور گاؤں کی خیریت دریافت کرنے کے بعد آپ نے بزرگوں کے حالات بیان کرنا شروع کئے، مولانا منظور نعمانی، حضرت مولانا علی میاں ندوی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے بہت سے واقعات بیان فرمائے، اور حضرت مولانا عبدالباری ندوی کے دلچسپ علمی واقعات بیان فرمائے، جن کو طوالت کی وجہ سے حذف کر رہا ہوں۔

میں نے مفتی صاحب سے عرض کیا، حضرت! کوئی ایسا واقعہ بیان فرمائیں جو آپ کی زندگی میں اہمیت رکھتا ہو؟ حضرت نے فرمایا:

لکھنؤ کے ایک تاجر کا بڑا بزنس تھا، ایک دن وہ آئے اور فرمانے لگے: حضرت! میرے لیے دعا فرمادیں، میں نے کہا ٹھیک ہے، تاجر صاحب نے کہا: یوں نہیں، میرے گھر تشریف لے چلیں، وہ اپنے گھر لے کر گئے، ناشتہ کے بعد انھوں نے اپنے نئے بنگلہ کی چابی دی اور کہا: حضرت! یہ آپ کی خدمت میں تحفۃً پیش ہے، اس کو قبول فرمائیے، مفتی صاحب نے فرمایا: یہ ہمارے لیے مناسب نہیں، آپ کا خلوص اپنی جگہ، ہماری خودداری یہ تحفہ قبول نہیں کرسکتی، ہماری تنخواہ مختصر ہے، لوگوں کو میں کیا جواب دوں گا، لہذا ہدیہ قبول نہیں، دعا آپ کے لیے کروں گا۔ مفتی صاحب کی یہ سادگی اور احتیاط ان کے زہد کی جیتی جاگتی تصویر ہے، اللہ آپ کو غریق رحمت کرے۔

آپ کی گمنام شخصیت: حضرت مفتی صاحب ایک گمنام شخصیت کے مالک تھے، دولت، عہدہ اور شہرت جو آج کل علما حضرات کی بھی بیماری بن گئی ہے، مفتی صاحب ان لوازمات سے پاک تھے، دنیا کو انھوں نے صرف بقدر ضرورت لیا، میں نے ان سے کہا: اتنے زمانے سے آپ فتوی تحریر فرمارہے ہیں، اپنے فتاویٰ کا ایک سیٹ تیار کرا دیجئے؟ حضرت نے فرمایا: یہ خدمت آخرت کے لئے ہے، نام ونمود اور آمدنی کے لئے نہیں۔ آپ کی گوشہ نشینی اور گمنامی کا یہ عالم تھا کہ گاؤں اور اطراف وجوانب کے لوگ آپ کی شخصیت سے ناواقف تھے، صرف اہل علم حضرات ہی آپ کو جانتے تھے وہ بھی بہت کم لوگ۔ ایک بار حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم سے ملاقات ہوئی، تعارف کے بعد انھوں نے فرمایا کہ مفتی ظہور صاحب کی شخصیت اسلاف کی یادگار ہے، ان کے

فتاوی بہت عمدہ ہوتے ہیں، ان کی سادگی اور زہد تو یکتائے زمانہ ہے۔

آخری ملاقات: حضرت مفتی صاحب کے انتقال سے ۲۰ ردن پہلے میں اور مولانا ضیاء الدین صاحب ندوی قاسمی حضرت مفتی صاحب سے ملاقات کی غرض سے ندوۃ العلما گئے، شام کا وقت تھا، مفتی صاحب سے ملاقات ہوئی، بہت خوش ہوئے فرمایا: کوئی کام ہو تو بتاؤ، میں نے کہا: حضرت! مدرسے کے لیے حضرت مولانا سعید الرحمن صاحب الاعظمی دامت برکاتہم سے ایک تصدیق نامہ لکھوا دیجئے، مدرسے کو سات سال ہو گئے، اچھے خاصے حفاظ بھی تیار ہو گئے، عربی شعبہ بھی قائم ہو گیا، کبھی کوئی جلسہ نہیں ہوا، فروری ۲۰۱۷ء میں جلسہ کا ارادہ ہے، حضرت مولانا سید رابع حسنی صاحب ندوی مدظلہ سے ہمارے لیے تاریخ متعین کرا دیجئے، تاکہ ایک بار آپ کی موجودگی میں علما وصلحا کا ورود مسعود ہو جائے، مفتی صاحب نے فرمایا: ٹھیک ہے، ابھی چلتے ہیں، اس وقت بیماری شدید تھی، پیروں میں تکلیف تھی، آپ نے اپنے نواسے کو بلایا اور کہا کہ مغرب کے بعد مولانا سعید الرحمن صاحب دفتر میں آجاتے ہیں تو بتانا، بعد مغرب اطلاع دی گئی کہ مہتمم صاحب دفتر میں موجود ہیں، آپ وہیل چیئر پر دفتر کے لیے روانہ ہوئے، پھر یاد آیا کہ دفتر کا مین گیٹ بند ہے، ذیلی راستے میں لوہے کا سرکل لگا ہوا ہے، جس میں وہیل چیئر داخل نہیں ہوگی، ارادہ ملتوی فرمادیا اور فرمایا کہ سنیچر کے دن یاد دلا دینا، دونوں کام کرا دوں گا ان شاء اللہ، جمعہ کے دن ہم لوگ اعظم گڑھ آ گئے، کئی دنوں تک رابطے کی کوئی شکل نہ بن سکی، آخر کار حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی نے اپنے ایک شاگرد کے سپرد یہ کام کر دیا کہ شنبہ کو مفتی صاحب کو یاد دلا دینا، جب وہ بچہ جا کر ملا ہے تو مفتی صاحب نے تعارفی رسالہ تلاش کیا تو نہیں مل سکا، اس دوران کئی مرتبہ وہ لڑکا گیا لیکن رسالہ نہ ملنے کی وجہ سے کام نہیں ہوسکا، مفتی صاحب بہت پریشان تھے کہ آخر وہ رسالہ کہاں گم ہو گیا، انھوں نے فرمایا کہ ایک رسالہ منگوا لو، اور پرسوں صبح میں چلو تاکہ جلد از جلد اس کام سے فارغ ہو لیں، ہم لوگ مطمئن تھے کہ پرسوں صبح یہ کام ہو جائے گا لیکن تقدیر کا لکھا کچھ اور ہی تھا، جس صبح کا انتظار تھا وہ ۲۵ رستمبر تھی، طلوع شمس سے پہلے ہی فون بجا، اور ایک اندوہناک خبر کان سے ٹکرائی، آناً فاناً یہ خبر ہر طرف پھیل گئی کہ آج علم دین، فقہ وفتاویٰ، زہد وتقویٰ کا ایک بے مثال عالم باعمل اس دار فانی سے کوچ کر کے اپنے مالک حقیقی سے جاملا۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

اہل علم خصوصاً اہل ندوہ کے لیے یہ خبر بڑے ہی رنج وغم کی تھی، لیکن ہمارے خاندان کے لیے یہ غم کوئی معمولی نہیں تھا، ہمارا خاندان ایک مشفق رہنما سے محروم ہو چکا تھا، اور وہ ادارہ جسے آپ اپنے اور خاندان کے دوسرے علما کے لیے باعث نجات تصور کرتے تھے، آج یتیم ہو چکا تھا۔ اللہ آپ کو غریق رحمت کرے اور آپ کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین

اپنی نمازوں پر غور بھی کیجیے

حضرت شیخ ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی دامت برکاتہم

آج کے پرفتن مشینی دور میں انسان ہر طرف سے مسائل میں گھرا ہوا ہے، پریشانیوں نے اسے خوب پریشان کر رکھا ہے، اسے سارا جہاں مسائلستان نظر آتا ہے، حالت یہ ہوگئ ہے کہ کھڑا تو نماز کی حالت میں ہوتا ہے مگر گھریلو پریشانیوں کی گتھیاں سلجھا رہا ہوتا ہے، کبھی کاروباری معاملات میں ڈوبا ہوتا ہے اور کبھی نفسانی شیطانی شہوانی تقاضوں کے دریا میں غوطے لگا رہا ہوتا ہے۔ نماز کی رکعتیں بھول جانا، التحیات میں سورۃ فاتحہ پڑھنا اور قیام میں سورۃ بھول جانا عام سی بیماری بن گئی ہے۔

حدیث پاک میں قرب قیامت کی ایک نشانی یہ بھی بتائی گئ ہے کہ مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی ہوگی مگر ان کے دل اللہ کی یاد سے خالی ہوں گے۔ ایک مسجد میں امام صاحب کو نماز کی رکعتوں میں شبہ ہوا، سلام پھیر کر مقتدی حضرات سے پوچھا کہ میں نے پوری رکعتیں پڑھی ہیں یا کم پڑھی ہیں؟ پوری مسجد میں ایک بھی نمازی ایسا نہ تھا جو یقین محکم اور صمیم قلب سے کہتا کہ ہم نے اتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔ اسی طرح کی نمازوں کے متعلق حدیث پاک میں وارد ہوا ہے کہ وہ نمازی کے منہ پر واپس ماردی جاتی ہیں۔

کس قدر غم اور صدمے کی بات ہے کہ ایک شخص نے وقت فارغ کیا، وضو کیا، نماز بھی پڑھی مگر نماز کے ظاہری ارکان کے علاوہ اسے کچھ نہ ملا، مسجد میں نماز تو سب پڑھتے ہیں مگر ہر شخص کو اس کے خشوع وخضوع کے مطابق اجر ملتا ہے، سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ ایک من سونا ہو، لوہا ہو یا مٹی ہو، وزن میں تو سب برابر مگر قیمت سب کی اپنی الگ الگ ہے۔ اللہ والوں کی نماز پر اگر سونے کا بھاؤ لگتا ہے تو عام صالحین کی نماز پر لوہے کا بھاؤ لگتا ہے، جبکہ غافلین کی نماز کو مٹی کے بھاؤ بھی قبول نہیں کرتے، بقول شاعر ؎

بزمیں چوں سجدہ کردم ززمیں ندا برآمد
کہ مرا خراب کردی تو بہ سجدۂ ریائی
(جب میں نے زمین پر سجدہ کیا تو زمین سے آواز آئی اے ریا کے ساتھ سجدہ کرنے والے! تو نے مجھے بھی خراب کرڈالا)

علامہ اقبال نے خوب کہا ہے

میں جو سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

سوچنے کی بات ہے کہ دنیا کی محبت میں گرفتار عاشق نامراد تو فانی چیزوں کے عشق میں اس حد تک گرفتار ہوجاتا ہے کہ ہر وقت انہیں کے خیالوں میں کھویا رہتا ہے اور ان کے حصول کی تمنا دل میں لئے نہ جانے کیا کیا منصوبے بناتا رہتا ہے، وہ اپنے مطلوب کو پانے کے لئے اپنا سب کچھ لٹا دیتا ہے اور کبھی اپنی جان مال اور عزت و ناموس تک برباد کرلیتا ہے، اور ہم کیسے اللہ تعالیٰ کے نام لیوا اور عاشق صادق ہیں کہ عین نماز میں جب کہ ہم ان کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں، اس وقت بھی ان کی یاد دل میں نہیں ہوتی۔ معلوم ہوا کہ ہم اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں، اسی لئے ہماری نمازیں بے روح و بے لذت ہیں۔ بقول شاعر

شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

جن سلف صالحین نے نماز کی حضوری حاصل کرنے کیلئے محنت کی انہیں اسی دنیا میں اپنی مراد مل گئی، چنانچہ شیخ عبدالواحد کے سامنے تذکرہ ہوا کہ جنت میں نماز نہیں ہوگی تو رو پڑے۔ کسی نے پوچھا کہ حضرت کیوں روئے، فرمایا اگر جنت میں نماز نہیں ہوگی تو پھر جنت کا مزہ کیسے آئے گا۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے سامنے کسی نے جنت کے حور وقصور کا تذکرہ کرنا شروع کیا تو آپ نے فرمایا کہ بھئی اگر قیامت کے دن مجھ پر اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت ہوگئی تو میں یہ عرض کروں گا کہ اللہ! اپنے عرش کے نیچے مصلے کی جگہ عنایت فرمادیجئے۔

حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ لمبا سجدہ کرتے تھے، کسی نے پوچھا تو فرمایا کہ جب میں سجدے میں ہوتا ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا اپنا سر محبوب کے قدموں پر رکھ دیا ہے، بس پھر سر

اٹھانے کو دل ہی نہیں چاہتا۔

مجھے کیا خبر تھی رکوع کی، مجھے کیا خبر تھی سجود کی
تیرے نقش پا کی تلاش تھی کہ میں جھک رہا تھا نماز میں

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکاتیب میں لکھا ہے:

جان لیں کہ دنیا میں نماز کا مرتبہ آخرت میں رویت باری تعالیٰ کے مرتبہ کی مانند ہے، پس جو شخص دنیا میں بغیر وساوس کے نماز ادا کرے گا اسے جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار بغیر حجاب کے ہوگا، اور اگر وساوس کے ساتھ نماز پڑھے گا تو آخرت میں دیدار بھی پردوں کے اندر سے ہوگا۔

کس قدر حسرت کی بات ہے کہ نماز پر محنت نہ کرنے کی وجہ سے نمازی کو دیدار خداوندی نصیب ہوگا مگر پردوں کے ساتھ، اے کاش ہم اپنی نمازوں پر محنت کرتے اور خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا کرنا سیکھتے تو روز محشر جمال بے نقاب کے دیدار کے مزے پاتے۔

فقیر (شیخ ذوالفقار احمد نقشبندی) جب ایک طرف نماز کی اس اہمیت کو دیکھتا ہے اور دوسری طرف نماز کی ادائیگی کے معاملے میں دوستوں کے احوال کو دیکھتا ہے تو دل میں شدت سے یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ سالکین کو بالخصوص اور عامۃ الناس کو بالعموم اس بارے میں فکر مند کرنے کی ضرورت ہے۔ آج بہت سے نمازی ایسے ہیں کہ ان کو نماز کی اہمیت وعظمت کا احساس ہی نہیں، بہت سے ایسے ہیں جو حضور قلب کی نعمت سے محروم ہیں، بہت سے ایسے ہیں جو ارکان نماز کی صحت سے غافل ہیں، اور بہت سے ہیں جو ارکان نماز کی درستگی کی تو پوری کوشش کرتے ہیں لیکن طہارت کا معاملہ ڈھیلا ہوتا ہے۔ ان سب باتوں کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نماز شرف قبولیت سے محروم رہتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کی ظاہری حالت کو درست کرنے سے متعلق فرمایا:

تو اللہ کی عبادت ایسے کر جیسے اسے دیکھ رہا ہے، اگر ایسا نہ کر سکتا ہو تو یہ سمجھ کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے (مفہوم حدیث)

معلوم ہوا کہ ظاہر و باطن دونوں لحاظ سے نماز کی درستگی ضروری ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حقیقت والی نمازیں پڑھنے کی توفیق عطا فرمادے، وہ ہماری نمازوں کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنادے اور اپنی ذات پاک سے ہمکلامی کا ذریعہ بنادے اور دیدار جمال یار تک پہنچا دے۔ آمین ثم آمین واللہ الموفق

بچوں کی تعلیم وتربیت

مولانا مفتی عاصم عبداللہ صاحب جامعہ حمادیہ کراچی

والدین بچوں کے ابتدائی استاذ ہوتے ہیں اس لیے ان پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو آداب زندگی سکھائیں، انہیں تمیز دار بنائیں، آنحضرت ﷺ نے ہر صاحب اولاد پر اس کی اولاد کا یہ حق بتایا ہے کہ وہ بالکل شروع ہی سے اس کی دینی تعلیم وتربیت کی فکر کرے، درحقیقت والدین کا کردار بچوں کے لیے اہمیت کا حامل ہوتا ہے ہر بچے کی نظر میں اس کی ماں اور اس کا باپ مثالی ہوتا ہے، اگر والدین بچوں کی اچھی تربیت نہیں کریں گے اور نظر انداز کریں گے تو وہ اس کوتاہی میں قصوروار ہوں گے لہذا بچوں کو اوائل عمر ہی سے بہتر تربیت دی جائے کیونکہ بچے کا ذہن سلیٹ کے مانند ہوتا ہے جس پر جو بھی تحریر کردیا جائے وہ اسے اپنی زندگی کے آخری ایام تک یاد رکھتا ہے۔

اس سلسلے میں آپ ﷺ کے چند ارشادات درج ذیل ہیں:

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اپنے بچوں کی زبان سے سب سے پہلے ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ'' کہلواؤ اور موت کے وقت ان کو اسی کلمہ ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ'' کی تلقین کرو۔ (مشکوٰۃ)

بڑا خوش نصیب ہے وہ بندہ جس کی زبان سے دنیا میں آنے کے بعد سب سے پہلے یہی کلمہ نکلے اور دنیا سے جاتے وقت یہی اس کا آخری کلمہ ہو۔

(اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نصیب فرمائے)

اولاد کے لیے ماں باپ کا بہترین تحفہ

حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی باپ نے اپنی اولاد کو کوئی عطیہ اور تحفہ حسنِ ادب اور اچھی سیرت سے بہتر نہیں دیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی اولاد کا اکرام

کرواور (اچھی تربیت کے ذریعہ) ان کوحسن ادب سے آراستہ کرو۔

ذیل میں اولاد کی تربیت کے حوالے سے ناصح الامت حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب مہاجر مدنیؒ کی ایک تحریر کا خلاصہ پیش کررہے ہیں جو حضرت والا نے بڑے دکھے دل کے ساتھ لکھی ہے' جو والدین کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے۔ فرمایا:

بہت سے لوگوں کو اولاد کی تربیت کی طرف بالکل توجہ نہیں' اپنے اپنے کاموں میں مشغول رہتے ہیں اور اولاد گلی کوچوں میں بھٹکتی پھرتی ہے' بچوں کے لیے پیٹ کی روٹی اور تن کے کپڑوں کا تو انتظام کردیتے ہیں لیکن ان کی باطنی پرورش یعنی اخلاقی تربیت کی طرف بالکل توجہ نہیں دیتے۔ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جن کے ماں باپ نے ان کا ناس کھویا تھا' انہیں پتہ نہیں کہ تربیت کیا چیز ہے اور بچوں کو کیا سکھائیں اور کیا سمجھائیں؟ اس عظیم غفلت میں ان لوگوں کا بھی حصہ ہے جو خود تو نمازی ہیں اور کچھ اخلاق وآداب سے بھی واقف ہیں لیکن ملازمت یا تجارت میں اس طرح اپنے آپ کو پھنسا دیا ہے کہ بچوں کی طرف توجہ کرنے کے لیے ان کے پاس گویا وقت نہیں' حالانکہ زیادہ کمانے کی ضرورت اولاد ہی کے لیے ہوتی ہے جب زیادہ کمانے کی وجہ سے خود اولاد ہی کے اعمال واخلاق کا خون ہوجائے تو ایسا کمانا کس کام کا؟ بعض لوگ ایسے بھی دیکھے گئے ہیں جو اچھا خاصا علم رکھتے ہیں' مصلح بھی ہیں اور مرشد بھی ہیں' دنیا بھر کے لوگوں کو راہ دکھاتے ہیں' سفر پر سفر کرتے رہتے ہیں' کبھی یہاں وعظ' کبھی وہاں تقریر' کبھی کوئی رسالہ لکھا' کبھی کوئی کتاب تالیف کی' لیکن اولاد کی اصلاح سے بالکل غافل ہیں' حالانکہ اپنے گھر کی خبر لینا سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔ اولاد کی جانب سے جب چند سال غفلت برت لیتے ہیں اور ان کی عمر دس بارہ سال ہوجاتی ہے تو اب ان کو صحیح راہ پر لگانا بہت مشکل ہوجاتا ہے۔

دو حدیثوں کا ترجمہ پڑھیے:

(۱) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انسان اپنے بچوں کو ادب سکھائے تو بلاشبہ یہ اس سے بہتر ہے کہ ایک صاع غلہ وغیرہ صدقہ کرے۔ (ترمذی)

(۲) حضرت عمر بن سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا

کہ کسی باپ نے اپنے بچے کو کوئی ایسی بخشش نہیں دی' جو اچھے ادب سے بڑھ کر ہو۔
(مشکوٰۃ المصابیح)

دنیاوی فنون کے ساتھ علمِ دین بھی ضروری ہے:

ماں باپ کا فریضہ ہے کہ بچوں کو دین سکھائیں اور دین کو سب سے زیادہ اہمیت دیں' کیونکہ دین ہی آخرت کی ہمیشہ والی زندگی میں کام دینے والا ہے' بہت سے لوگ بچوں سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں مگر ان کی یہ محبت صرف دنیاوی آرام وراحت تک محدود رہتی ہے ان کی اصل ضرورت یعنی آخرت کی نجات اور موت کے بعد کے آرام و راحت کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ حلال مال جائز طریقے پر کھلانا' پلانا اور پہنانا اچھی بات ہے لیکن انسان کی سب سے بڑی ضرورت آخرت کا آرام و سکون ہے۔

اگر دین نہیں ہے تو آخرت کی تباہی ہوگی۔ وہاں کی تباہی کے سامنے دنیا کی ذراسی چٹک مٹک اور چہل پہل کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی۔ اپنی اولاد کے سب سے بڑے محسن وہ ماں باپ ہیں جو اپنی اولاد کو دینی علم پڑھاتے ہیں اور دینی اعمال پر ڈالتے ہیں' یہ علم نہ صرف اولاد کے لیے بلکہ خود ان کے والدین کے لیے بھی قبر میں اور آخرت میں نفع مند ہوگا۔

عبرت کا مقام

لوگوں کا یہ حال ہے کہ بچوں کو ہوش سنبھالتے ہی اسکول اور کالج کی نذر کردیتے ہیں یا محنت و مزدوری پر لگا دیتے ہیں انہیں نماز' روزہ سکھانے اور بتانے اور دینی فرائض سمجھانے اور ان پر عمل کرانے کی فکر نہیں کرتے۔ شادیاں ہوجاتی ہیں' باپ دادا بن جاتے ہیں لیکن بہت سوں کو کلمہ طیبہ بھی صحیح یاد نہیں ہوتا نماز میں کیا پڑھا جاتا ہے؟ اس سے بھی واقف نہیں ہوتے۔ ستر' اسی سال کے بوڑھوں کو دیکھا گیا ہے کہ دین کی موٹی موٹی باتیں بھی نہیں جانتے۔ فاعتبروا یااولی الابصار۔

ایک بزرگ کا ارشاد ہے ''لوگ سورہے ہیں' جب موت آئے گی تو بیدار ہوں گے'' آخرت سے بے فکری کی زندگی گزارنے میں انسان کا نفس خوش رہتا ہے اور یہی حال بال بچوں اور دوسرے متعلقین کا ہے' اگر انہیں آخرت کی باتیں نہ بتاؤ اور کھلائے پلائے جاؤ' دنیا کا نفع پہنچائے جاؤ تو ہشاش بشاش رہتے ہیں اور اس تغافل کو باعث نقصان نہیں سمجھتے لیکن جب آنکھیں بند ہوں گی اور قبر

کی گود میں جائیں گے اور موت کے بعد کے حالات دیکھیں گے تو حیرانی سے آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ عالم آخرت کی ضرورتیں اور حاجتیں جب سامنے ہوں گی تو غفلت پر رنج ہوگا اور حسرت ہوگی کہ کاش آج کے دن کے لیے خود بھی عمل کرتے اور اولاد کو بھی یہاں کی کامیابی کی راہ پر ڈالتے مگر اس وقت حسرت بے فائدہ ہوگی۔ (ماخوذ از اصلاحی مضامین)

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی طرف بھرپور توجہ دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

بچوں کی پرورش کرنے اور مہذب بنانے کا دستور العمل

بہشتی زیور کے چوتھے حصہ میں ''اولاد کی پرورش کا طریقہ'' اس کے ذیل میں کچھ ضروری دستور العمل ہے۔ دیکھنے سے اس مقام کا بعینہٖ نقل کر دینا مناسب معلوم ہوا۔ ان کی اہمیت کے پیش نظر ذیل میں درج کیا جا رہا ہے:

جاننا چاہیے کہ یہ امر بہت ہی خیال رکھنے کے قابل ہے کیونکہ بچپن میں جو عادت بھلی یا بری پختہ ہو جاتی ہے وہ عمر بھر نہیں جاتی۔ اس لیے بچپن سے جوان ہونے تک ان باتوں کا ترتیب وار ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) نیک بخت دیندار عورت کا دودھ پلائیں۔ دودھ کا بڑا اثر ہوتا ہے۔

(۲) عورتوں کی عادت ہے کہ بچوں کو کہیں سپاہی سے ڈراتی ہیں، کہیں اور ڈراؤنی چیزوں سے یہ بری بات ہے۔ اس سے بچہ کا دل بے حد کمزور ہو جاتا ہے۔

(۳) اس کے دودھ پلانے کے لیے کھلانے کے لیے وقت مقرر رکھو تاکہ وہ تندرست رہے۔

(۴) اس کو صاف ستھرا رکھو کیونکہ اس سے تندرستی رہتی ہے۔

(۵) اس کا بہت زیادہ بناؤ سنگار نہ کرو۔

(۶) اگر وہ لڑکا ہو تو اس کے سر پر بال مت بڑھاؤ۔

(۷) اگر لڑکی ہے اس کو جب تک پردہ میں بیٹھنے کے لائق نہ ہو جائے، زیور مت پہناؤ۔ اس سے ایک تو ان کی جان کا خطرہ ہے دوسرے بچپن ہی سے زیور کا شوق دل میں پیدا ہونا اچھا نہیں۔

(۸) بچوں کے ہاتھ سے غریبوں کو کھانا، کپڑا، پیسے اور ایسی چیزیں دلوایا کرو۔ اسی طرح

کھانے پینے کی چیزیں ان کے بھائی بہنوں کو یا اور بچوں کو تقسیم کرایا کرو تاکہ ان کو سخاوت کی عادت ہو......مگر یہ یاد رکھو کہ تم اپنی چیزیں ان کے ہاتھ سے دلوایا کرو، خود جو چیز انہی کی ہو (یعنی جس کے وہ مالک ہوں) اس کا دلوانا کسی کو درست نہیں۔

(۹) زیادہ کھانے والوں کی برائی اس کے سامنے کیا کرو مگر کسی کا نام لے کر نہیں بلکہ اس طرح کہ جو کوئی بہت کھاتا ہے لوگ اس کو حبشی کہتے ہیں، اس کو بیل سمجھتے ہیں۔

(۱۰) اگر لڑکا ہو تو سفید کپڑے کی رغبت اس کے دل میں پیدا کرو اور رنگین اور تکلف کے لباس سے اس کو نفرت دلاؤ کہ ایسے کپڑے لڑکیاں پہنتی ہیں۔ تم ماشاء اللہ مرد ہو، ہمیشہ اس کے سامنے ایسی باتیں کیا کرو۔

(۱۱) اگر لڑکی ہو جب بھی زیادہ مانگ چوٹی اور بہت تکلف کے کپڑوں کی عادت اس کو مت ڈالو۔

(۱۲) اس کی سب ضدیں پوری مت کرو کیونکہ اس سے مزاج بگڑ جاتا ہے۔

(۱۳) چلا کر بولنے سے روکو خاص کر اگر لڑکی ہو تو چلانے پر خوب ڈانٹو، ورنہ بڑی ہو کر وہی عادت ہو جائے گی۔

(۱۴) جن بچوں کی عادتیں خراب ہیں، یا پڑھنے لکھنے سے بھاگتے ہیں یا تکلف کے کپڑے یا کھانے کے عادی ہیں، ان کے پاس بیٹھنے سے اور ان کے پاس کھیلنے سے ان کو بچاؤ۔

(۱۵) ان باتوں سے ان کو نفرت دلاتی رہو، غصہ، جھوٹ بولنا، کسی کو دیکھ کر جلنا، یا حرص کرنا، چوری، چغلی، اپنی بات کی پچ کرنا (منوانا) خواہ مخواہ اس کو بنانا، بے فائدہ بہت باتیں کرنا، بے بات ہنسنا یا زیادہ ہنسنا، دھوکہ دینا، بھلی بری بات کو نہ سوچنا اور جب ان باتوں میں سے کوئی بات ہو جائے، فوراً اس پر تنبیہ کرو۔

(۱۶) اگر کوئی چیز توڑ پھوڑ دے یا کسی کو مار بیٹھے تو مناسب سزا دو تاکہ پھر ایسا نہ کرے۔ ایسی باتوں میں دلار پیار بچوں کو کھو دیتا ہے۔

(۱۷) بہت جلدی مت سونے دو۔

(۱۸) جلدی جاگنے کی عادت ڈالو۔

(۱۹) جب سات برس کی عمر ہو جائے تو نماز کی عادت ڈالو۔

(۲۰) جب مکتب میں جانے کے قابل ہو جائے' پہلے قرآن پڑھواؤ۔

(۲۱) مکتب میں جانے میں کبھی رعایت نہ کرو۔

(۲۲) جہاں تک ہو سکے دیندار استاذ سے پڑھواؤ۔

(۲۳) کسی کسی وقت ان کو نیک لوگوں کی حکایتیں (قصے) سنایا کرو۔

(۲۴) ان کو ایسی کتابیں مت دو جن میں عاشقی معشوقی کی باتیں یا شریعت کے خلاف مضمون یا اور بے ہودہ قصے یا غزلیں وغیرہ ہوں۔

(۲۵) ایسی کتابیں پڑھواؤ جس میں دین کی باتیں اور دنیا کی ضروری کارروائی آ جائے۔

(۲۶) مکتب سے آنے کے بعد کسی قدر دل بہلانے کے لیے اس کو کھیلنے کی اجازت دو تا کہ اس کی طبیعت اکتا نہ جائے لیکن کھیل ایسا ہو جس میں کوئی گناہ نہ ہو۔ جھوٹ بولنے کا اندیشہ نہ ہو۔

(۲۷) آتش بازی یا باجہ یا فضول چیزیں مول لینے کے لیے پیسہ مت دو۔

(۲۸) کھیل تماشہ دکھلانے کی عادت مت ڈالو۔

(۲۹) اولاد کو ضرور کوئی ایسا ہنر سکھلا دو جس سے ضرورت اور مصیبت کے وقت چار پیسہ حاصل کر کے اپنا اور اپنے بچوں کا گزارہ کر سکے۔

(۳۰) لڑکیوں کو اتنا لکھنا سکھلا دو کہ ضروری خط اور گھر کا حساب کتاب لکھ سکیں۔

(۳۱) بچوں کو عادت ڈالو کہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کیا کریں' اپاہج اور سست نہ ہو جائیں۔ ان سے کہو کہ رات کا بچھونا اپنے ہاتھ سے بچھائیں۔ صبح کو جلدی اٹھ کر تہہ کر کے احتیاط سے رکھ دیں۔ کپڑوں کی گٹھری اپنے انتظام میں رکھیں۔ پھٹا ہوا خود سی لیا کریں۔ کپڑے خواہ میلے ہوں یا صاف ایسی جگہ رکھیں جہاں کیڑے' چوہے کا اندیشہ نہ ہو۔ دھوبن کو خود گن کر دیں اور لکھ لیں اور گن کر لیں۔

(۳۲) لڑکیوں کو تاکید کرو کہ جو زیور تمہارے بدن پر ہے رات کو سونے سے پہلے اور صبح جب اٹھو دیکھ بھال لیا کرو۔

(۳۳) لڑکیوں سے کہو کہ جو کام کھانے پکانے' سینے پرونے' کپڑے رنگنے' کوئی چیز بننے کا گھر میں ہوا کرے اس کو غور سے دیکھا کرو کہ کیسے ہو رہا ہے۔

(۳۴) جب بچے سے کوئی بات خوبی کی ظاہر ہو اس پر خوب شاباشی دو' پیار کرو' بلکہ اس کو کچھ انعام دو تا کہ اس کا دل بڑھے۔ اور جب اس کی بری بات دیکھو تو تنہائی میں اس کو سمجھاؤ کہ دیکھو بری

بات ہے۔ دیکھنے والے دل میں کیا کہتے ہوں گے۔ اور جس جس کو معلوم ہوگا وہ کیا کہے گا' خبردار پھر آئندہ مت کرنا۔ اچھے لڑکے ایسا نہیں کرتے اور اگر پھر وہی کرے تو مناسب سزا دو۔

(۳۵)　ماں کو چاہیے کہ بچہ کو باپ سے ڈراتی رہے۔

(۳۶)　بچہ کو کوئی کام چھپا کر مت کرنے دو' کھیل ہو یا کھانا یا اور کوئی کام ہو۔ جو کام چھپا کر کرے گا سمجھ جاؤ کہ وہ اس کو برا سمجھتا ہے سو اگر وہ برا ہے تو اس کو چھڑاؤ۔ اور اگر اچھا ہے جیسے کھانا پینا تو اس سے کہو کہ سب کے سامنے کھائے پیے۔

(۳۷)　کوئی کام محنت کا اس کے ذمہ مقرر کرو جس سے صحت اور ہمت رہے' سستی نہ آنے پائے' مثلاً لڑکوں کے لیے ڈنڈ کرنا (ہلکی ورزش کرنا) ایک آدھ میل چلنا (یا دوڑنا) اور لڑکیوں کے لیے چکی یا چرخہ چلانا ضروری ہے۔

(۳۸)　چلنے میں تاکید کرو کہ بہت جلدی نہ چلے' نگاہ اوپر اٹھا کر نہ چلے۔

(۳۹)　اس کو عاجزی' انکساری اختیار کرنے کی عادت ڈالو۔ زبان سے' چال سے' برتاؤ سے' شیخی نہ بگھارنے پائے۔ یہاں تک کہ اپنے ہم عمر بچوں میں بیٹھ کر اپنے کپڑے یا مکان یا خاندان یا کتاب وقلم ودوات وتختی تک کی تعریف نہ کرنے پائے۔

(۴۰)　کبھی کبھی اس کو دو چار پیسہ دے دیا کرو تا کہ اپنی مرضی کے موافق خرچ کیا کرے' مگر اس کی یہ عادت ڈالو کہ کوئی چیز تم سے چھپا کر نہ خریدے۔

(۴۱)　اس کو کھانے کا طریقہ اور محفل میں اٹھنے بیٹھنے کا طریقہ سکھلاؤ۔

امید ہے کہ اہل وعیال کی تعلیم وتربیت کے متعلق یہ مضمون کافی ہوجائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو سنت کے مطابق کام انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اللھم اجعلنا ممن یعظم شکرک و یکثر ذکرک ویتبع نصیحتک و یحفظ وصیتک انک سمیع قریب مجیب ٥ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد واله واصحابه اجمعین ط وعلیٰ من تبعهم باحسان الیٰ یوم الدین آمین یا رب العالمین برحمتک یا ارحم الرحمین٥

☆☆☆☆☆

اسلام کا نظامِ شخصی

مولانا عبدالباسط صاحب قاسمی
انجان شہید، اعظم گڑھ، مقیم حال سعودی عرب

آج کی اس دنیا میں سوائے اسلامی شریعت کے کوئی ایسا قانون موجود نہیں ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہو، اسلامی شریعت سے مراد اسلام کی وہ محکم اور حکمت سے بھری تعلیمات ہیں جو وحیِ الٰہی کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ تک اور رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ انسانوں تک پہنچی ہیں، ان تعلیمات کو انسانی زندگی کے پانچ اہم اور بنیادی شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: عقائد، عبادات، اخلاقیات، معاشرات، اور معاملات۔ معاملات کا ہی ایک حصہ عائلی اور شخصی نظام ہے۔

جب اس دنیا میں نظامِ ملوکیت اور نظامِ جمہوریت کا قیام وجود میں آیا تو نظامِ ملوکیت وجمہوریت کے حکمرانوں اور سیاست دانوں نے شعبۂ معاملات کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا، پہلے حصہ کا تعلق بلاتفریق ومذہب وملت، ہر خاص وعام سے رکھا جسے آج ہم ریاستی نظام، شہری نظام یا سِول لا (Civil-Law) کہتے ہیں، اس سِول لا کے تحت محکمۂ تجارت، بینکنگ اور مجرموں کی سزائیں وغیرہ آتی ہیں۔ افسوس کہ آج دنیا کے کسی اسلامی یا غیر اسلامی ملک میں مکمل طور ''اسلامک سِول لا'' نافذ نہیں ہے، جیسے حدِ زنا، حدِ قذف، حدِ خمر، حدِ سرقہ، حدِ ہزنی وغیرہ۔ ہمارے ملک ہندوستان میں مختلف قوموں، مذہبوں اور فرقوں کے لوگ آباد ہیں او ملک کا نظام بھی جمہوری ہے، اور پھر پارلمینٹ میں مسلمانوں کی نمائندگی، آزادی کے بعد سے گھٹتے گھٹتے برائے نام رہ گئی ہے۔ اس لیے یہاں ''اسلامک سِول لا'' کا نافذ ہونا، موجودہ صورتِ میں، تقریباً ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ملک کا مسلمان اس معاملہ میں کبھی کوئی آواز نہیں اٹھاتا۔

معاملات کے دوسرے حصہ کا تعلق پرسنل لا (Personal Law) سے رکھا، جسے آج ہم عائلی اور شخصی نظام کہتے ہیں۔ ہر قوم اور ہر مذہب کا عائلی اور شخصی نظام مختلف اور جدا ہوتا ہے۔

چنانچہ مشرکوں، یہودیوں، عیسائیوں وغیرہ کے مابین رہن سہن، شادی بیاہ، خوراک ولباس میں بہت فرق ہے۔ ان سب لوگوں سے الگ مسلمانوں کے پاس، اسلام کا دیا ہوا، اپنا عائلی اور شخصی نظام ہے یعنی: ''مسلم پرسنل لا'' ہے، اس نظام کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ یہ مکمل طور پر قرآن وسنت سے ماخوذ ہے اور بہت ہی مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر قائم ہے۔ ''مسلم پرسنل لا'' میں جو مسائل آتے ہیں وہ یہ ہیں: نکاح، خلع، طلاق، نفقہ، شفعہ، خوراک، لباس، ہبہ، اوقاف، وراثت وغیرہ۔

''مسلم پرسنل لا'' مسلمانوں کا خود کا بنایا کوئی قانون نہیں ہے کہ اسے جو چاہے اور جب چاہے بدل دے، مثال کے طور پر مسئلہء وراثت میں باپ کے مال میں سے بیٹے کا حصہ، بیٹی کے حصہ سے دوگنا ہے، یہ بات قرآن کریم سے ثابت ہے، لہذا دنیا کی پوری طاقت مل کر بھی بیٹا اور بیٹی کا حصہ برابر نہیں کرسکتی، کیوں کہ یہ قانونِ الٰہی ہے، مسلمانوں کا وضع کیا ہوا کوئی قانون نہیں ہے کہ وہ جب چاہیں بدل دیں، مسلمان تو مسلمان خود پیغمبرِ اسلام ﷺ کو بھی احکامِ الٰہی کے بدلنے کا اختیار نہیں تھا۔

یہی حکم ایک طلاق، دو طلاق اور تین طلاق کا ہے کہ ان کے احکام بھی قرآن وسنت سے ہی ماخوذ ہیں اس لیے ان میں بھی کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی، اور نہ ہی طلاق کی ان تینوں قسموں میں سے کسی قسم پر، کسی حکومت کی جانب سے پابندی عائد کی جاسکتی ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اگر میاں بیوی کے درمیان نباہ مشکل ہو اور صلح صفائی سے بھی کام چلنے والا نہ ہو تو وہ دونوں جدا ہوسکتے ہیں، گھر میں ہمیشہ لڑائی، جھگڑا، دنگا، فساد، تو، تو، میں، میں کرنے سے بہتر ہے کہ وہ دونوں اپنی اپنی، الگ الگ راہیں اختیار کرلیں۔ مرد چاہے تو طلاق دے دے اور عورت چاہے تو خلع لے لے، طلاق اور خلع اسی لیے ہیں تاکہ عورت مرد سے اور مرد عورت سے الگ اور جدا ہوجائیں۔ اسلام میں طلاق کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو صرف ایک طلاق دے، اگر شوہر عدت کے اندر رجوع نہیں کرتا تو اس کی بیوی عدت گزرنے کے بعد اس کے رشتہء نکاح سے خود بخود نکل جائے گی۔ طلاق میں عورت کے لیے خیر بھی ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے اس مطلقہ عورت کو پہلے شوہر سے بہتر ایسا شوہر عطا کردیں جو اس سے خوب محبت بھی کرے اور اس کے آرام وراحت کا خیال بھی رکھے۔ اللہ کا ارشاد ہے، ترجمہ: ''اور اگر دونوں (میاں بیوی) جدا ہوجائیں تو اللہ اپنی وسعت سے ہر ایک کو بے پروا کردیں گے اور اللہ وسعت والے (اور) حکمت والے ہیں''۔ (سورہ نساء: ۱۳۰) بقیہ صفحہ 20 پر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک المناک ودلدوز سانحہ

برادر عزیز سعید الحق ومحمد دانش کی شہادت

ضیاء الحق خیرآبادی

بقرعید کا دوسرا دن ہے یعنی ذی الحجہ (۱۴۳۷ھ) کی گیارہویں اور (ستمبر ۲۰۱۶ء) کی چودہویں تاریخ، بدھ کا دن! فجر کی نماز پڑھ کر معمول کے مطابق تفریح کے لئے چلا گیا، واپسی میں کچھ مہمان ساتھ تھے، ان کو چائے وغیرہ پلانے لگا، قربانی کی تیاریاں ہورہی تھیں، مہمانوں کو رخصت کرکے گھر سے نکلا کہ قربان گاہ میں چلوں، باہر صحن میں گھر کے لوگ کچھ اس انداز میں باتیں کررہے تھے جیسے کوئی واقعہ ہوگیا ہو، اتنا معلوم ہوا کہ عم مکرم مولانا حافظ عبدالحی صاحب مدظلہٗ کے صاحبزادے برادرم سعید الحق جو ریاض میں رہتے ہیں عمرہ کے لئے جارہے تھے ایکسڈنٹ میں شدید زخمی ہوکر آئی سی او میں داخل ہیں، مزید تفصیلات کے لئے لوگ سعودی عرب دیگر اعزا کو فون کررہے تھے لیکن کوئی اطمینان بخش خبر نہیں مل رہی تھی، اسی امید وبیم کی کیفیت میں ایک گھنٹہ گزر گیا، اس کے بعد جو خبر ملی اس نے میرے، اہل خاندان اور دیگر متعلقین کے پورے وجود پر لرزہ طاری کردیا، دل دہل کر رہ گئے، آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا، معلوم ہوا کہ اس حادثہ میں سعید الحق اور اس کے ماموں زاد بھائی (ہمارے دیار کے معروف عالم دین مولانا عبدالرب صاحب اعظمی کے بھتیجے) محمد دانش بن محمد منور (جہانا گنج) موقع ہی پر شہید ہوگئے۔ لاکھ ضبط کے باوجود آنکھوں کو یارائے ضبط نہ رہا اور زبان پر **اناللہ** کی رَبانی تسلی کا ورد جاری ہوگیا۔ چچا چچی، مرحوم کی بیوہ، بچے اور دیگر اہل خانہ کا جو حال اس وقت تھا، اب بھی سوچتا ہوں تو ایسا لگتا ہے جیسے دل پھٹ جائے گا، بس اللہ ہی کی ذات صبر دینے والی اور سنبھالنے والی ہے ورنہ صدمے کی شدت سے انسان نہ جانے کیا کیا کر بیٹھے۔

ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا ایمان ہے کہ جانے والے کا وقت پورا ہوچکا تھا، بس ہمیں وہ وقت معلوم نہ تھا اسی وجہ سے یہ ہمارے لئے بالکل اچانک حادثہ تھا جس نے ہمیں نڈھال

وبیم جاں بنادیا، اس وقت یہی اسلامی تعلیمات پیش نظر تھیں جس نے دل کو قابو میں رکھا، اور صبر کی توفیق ملی، انشاءاللہ اس پر وہ بے حساب اجر بھی ملے گا جس کا قرآن وحدیث میں وعدہ کیا گیا ہے۔

مرحوم اور ان کے ماموں زاد بھائی محمد دانش نے قابل رشک موت پائی، وہ عمرہ کے مقدس سفر کے لئے نکلے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو شہادت کی دولت سے نوازا، اور شہادت بھی دو وجہ سے! حدیث نبوی ہے کہ **موتُ غربةٍ شهادة**، غریب الوطنی اور مسافرت کی موت شہادت ہے، دونوں کو یہ شہادت نصیب ہوئی۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: **إن الرجل إذا مات بغير مولده قيس له من مولده إلىٰ منقطع اثره في الجنة**۔ جب انسان کی موت گھر سے دور ہوتی ہے تو گھر سے لے کر اس جگہ تک کی زمین ناپ لی جاتی ہے اور اس کی شایانِ شان جنت کا اجر عطا ہوتا ہے۔

نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے: **صاحبُ الهدمِ شهيدٌ**، دب کر مر جانے والا شہید ہے۔ دونوں بھائیوں میں شہادت کی دونوں جہتیں جمع ہیں، اللہ کی کریم ذات سے امید ہے کہ وہ اپنی اس بیکسی کی موت کا صلہ پا کر خوش ہو چکے ہوں گے، اور اعلیٰ علیین میں آسودہ و مطمئن ہوں گے۔

برادر مرحوم کی ایک بہت بڑی خوش قسمتی یہ تھی کہ انھوں نے ایسے باپ کا سایہ پایا تھا جنھوں نے اپنی عمر عزیز کے تقریباً پچاس سال اللہ کے دین کی خدمت اور قرآن وحدیث کی تعلیم وتدریس اور نشر واشاعت میں صرف کئے ہیں، جس کے نتیجہ میں ان کے شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد کی ایک بڑی تعداد ملک وبیرون ملک میں پھیلی ہوئی ہے اور نہ جانے کتنے علماء وصلحاء سے ان کے روابط وتعلقات ہیں، اس حادثہ کے موقع پر دیکھا کہ سیکڑوں ہزاروں علماء وحفاظ تعزیت کے لئے آئے اور جو نہ آسکے انھوں نے فون اور خط کے ذریعہ تعزیت کی اور مرحوم کے لئے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کا اہتمام کیا، جو ان کے لئے ذخیرہ آخرت بن رہا ہے۔

قانونی کاروائی کے مکمل ہونے پر حادثہ کے ایک ہفتہ کے بعد ریاض میں تدفین ہوئی، اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائیں، اور ہم تمام پس ماندگان کو بالخصوص عم مکرم مولانا حافظ عبدالحی صاحب مدظلہٗ کو۔۔۔۔ جنھیں عمر کے اس حصے میں ایسا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔۔۔۔ صبر جمیل واجر جزیل عطا فرمائیں۔ آمین

تمام قارئین سے التجا ہے کہ مرحومین کے لئے مغفرت وبلندیٔ درجات کی دعا فرمائیں۔